

## سرختیاں

صفحات	مضامین	صفحات	مضامین
۳۳	چودھویں دلیل	۱	عمر عائشہؓ پر ایک نظر
۳۶	پندرہویں دلیل	۸	پہلی دلیل
۳۹	سولہویں دلیل	۸	دوسری دلیل
۴۱	سترہویں دلیل	۸	تیسری دلیل
۴۱	حضرت عائشہؓ کی رخصتی	۹	چوتھی دلیل
۴۳	اٹھدہویں دلیل	۱۰	پانچویں دلیل
۴۴	انیسویں دلیل	۱۳	چھٹی دلیل
۴۷	بیسویں دلیل	۱۶	ساتویں دلیل
۵۶	اکیسویں دلیل	۱۷	آٹھویں دلیل
۵۸	بائیسویں دلیل	۲۰	نویں دلیل
۵۸	تیسویں دلیل	۲۳	دسویں دلیل
۵۸	کسب لاکھوں کی عبادی کار و اجازت	۲۳	ام المومنینؓ خود بہ در میں شریک تھیں
۵۹	حضرت فاطمہؓ کا نکاح	۲۷	گیارہویں دلیل
۶۰	حضرت ام کلثومؓ	۲۸	۱۱۔ عمارہ
۶۰	حضرت اسماءؓ	۲۸	۱۲۔ سلیمہ
۶۱	چوبیسویں دلیل	۲۹	۱۳۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ
۶۱	اجماعِ عملی	۳۰	بارہویں دلیل
۶۴	حضرت خدیجہؓ کی عمر	۳۲	تیرہویں دلیل

(۱) اشاعت: پنجم (۲) مئی ۱۹۹۷ء (۳) تعداد: ۱۱۰۰

(۴) صفحات: ۶۳ (۵) قیمت: روپیہ صرف ۱۰/-

# ٢ ماخذ علمی

محمد بن اسماعیل البخاری	معجم بخاری	0
مسلم بن الحجاج قشیری	معجم مسلم	0
سلیمان بن اشعث الجستانی	سنن ابی داؤد	0
احمد بن شعیب النسائی	سنن نسائی	0
محمد بن عیسیٰ ترمذی	جامع ترمذی	0
محمد بن عبداللہ بن یزید بن ماجہ	سنن ابن ماجہ	0
ابو عبد الرحمن عبداللہ بن عبد الرحمن الداری	سنن داری	0
عبداللہ بن الزبیر الحمیدی	مسند حمیدی	0
حافظ ابن حجر	تہذیب التہذیب	0
عقلمیں	کتاب السنن	0
حافظ ذہبی	میزان الاحوال	0
عبد الرحمن بن ابی حاتم مروزی	بلرح و احمد یں	0
حافظ سخادی	فتح المغیث	0
ابن سعد	طبقات	0
ولی الدین التلیب	الاکمال فی اسماء الرجال	0
حافظ ابن کثیر	البدایہ والنہایہ	0
حافظ ابن حجر	تقریب التہذیب	0
محمد بن جریر طبری	تاریخ طبری	0
حافظ ذہبی	میر الاعلام النبلاء	0
ابن ہشام	المسیرۃ	0
حافظ ابن کثیر	المسیرۃ النبویہ	0
عبدالرؤف دانا پوری	حیات سید العرب	0
شکیلہ	اصح المسیر	0
نیاز فتح پوری	سیرت النبی	0
مولانا سعید احمد اکبر آبادی	نحایات	0
امام احمد	سیرت السدیدین	0
سید سلیمان ندوی	المسند	0
حافظ ابن حجر	سیرت عائشہ	0
حکیم میاں احمد	الاسماح فی احوال الصحاب	0
	مرعائشہ	0

## مقدمہ

### عمر عائشہؓ پر ایک تحقیقی نظر

ہم طالب علمی کے دور سے آج تک پڑھتے اور سنتے آئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ام المومنین عائشہؓ بنت ابی بکرؓ سے نکاح فرمایا تو اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی اور جب ام المومنین رضخت ہو کر آئیں تو ان کی عمر نو سال تھی۔ اتفاق سے یہ روایت تمام کتب احادیث میں پائی جاتی ہے۔ اور ہمارے علماء ائمہ اس کی تاویل سناتے رہے کہ عرب کا علاقہ گرم ہے۔ لہذا وہاں اس عمر میں لڑکیاں بالغ ہو جاتی ہیں۔

ہم زندگی کے ایک طویل عرصہ تک اسی تخیل میں مبتلا رہے۔ صحیح کہ کراچی میں آکر رہنا سہنا ہوا اور انگریزی تعلیم یافتہ حضرات سے جب بھی اور جہاں بھی ملاقات ہوئی وہ اس داستان کو خلاف عقل قرار دیتے نظر آئے اور ہم اس روایت کا دفاع کرتے کرتے تھک گئے۔ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس روایت کے بل بوتے پر انگریزی معاشرہ کو اسلام پر فوقیت دیتے ہیں، کچھ اسلام کا مذاق اڑاتے اور کچھ اس روایت کے نام سے حدیث کا مذاق اڑاتے، کچھ مزید علمی انداز میں فرماتے اصل تو تاریخ ہے، یہ حدیث تو عجمی ملاؤں کا فراڈ ہے۔ بلکہ بعض ایسے افراد بھی سامنے آئے کہ جن کی پہنچ اس حد تک ترقی کے زینے طے کر چکی تھی کہ صاحب اصل کلام تو یہ ہے کہ بخاری نے جو گمراہ پھیلائی ہے اس کا رد لکھا جائے۔ یہ ہیں وہ تصورات جو انگریزی تعلیم یافتہ ذہنوں میں پیدا کئے جاتے اور ایک دوسرے تک پھیلتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض افراد یہ کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے کہ صاحب بو ابوسوی کی حد ہوتی ہے کہ نو سال کی لڑکی سے ہوس پوری کی جارہی ہے۔ معاذ اللہ اور کہنے کو ماشاء اللہ سب مسلمان ہیں۔ ہم یہ سب کچھ سنتے اور سوچتے کہ آخر اس کا علاج کیا ہے۔ اس علاج کی تلاش میں ہم نے تاریخ

النسب، جرح و تعدیل، علل، رجال اور شیعہ مذہب کا مطالعہ کیا اور تحقیق حال کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ تاریخ اسلامی کا سب سے بڑا فراڈ مذہب تشیع ہے۔ اور اس نے اس فراڈ کے لئے جو حربہ استعمال کیا ہے اس کا نہایت ہی ادا و خوبصورت نام تاریخ ہے۔ جس کے فراڈ کا ثبوت، م نے مذہبی داستان میں پیش کیا ہے۔

اصول حدیث، رجال، علل اور مہضوہات کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ محدثین کرام نے اس سیلاب کے آگے بڑی بڑی دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں۔ افسوس اسی کا ہے کہ محدثین نے اس سیلاب کی رکاوٹ کے لئے جو بند باندھے تھے انہیں خود سنی ہی دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ ورنہ ہمارے محدثین کرام ایسے بے بہا اصول عنایت کر گئے ہیں کہ انہیں سنبھال رکھ کر ہر کمرے کو جدا کیا جاسکتا ہے۔ اور امام بخاری نے تشیع کے سیلاب کے آگے بہت بند باندھا ہے۔ صحیح بخاری پر تنقید کا مقصد ہے تشیع کے ہاتھ مضبوط کرنا۔ لہذا ہمارا ایمان بخاری پر اور قوی تر ہو گیا۔ لیکن اس سلسلہ میں عوام و مفاصلوں کا شکر ہیں۔

(۱) بخاری نے اپنی جانب سے ایسے وقت میں جبکہ ہر جانب سے جھوٹ کا ایک سیلاب اٹھتا آ رہا تھا۔ پودی لگن اور محنت کے ساتھ اس جھوٹ کو علیحدہ کرنے کی پوری کوشش کی اور اس حد تک کی کہ آج تک اس فن میں ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ لیکن بہر صورت وہ انسان ہیں اور انسان ہونے کے ناطے غلطی اور خطا ممکن ہے اور غلطی قابل گردن زدنی نہیں ہوتی اسے ہر گز جرم نہیں کہا جاسکتا، جرم تو وہ ہوتا ہے جس کا جرم ہونا انسان کو معلوم ہو اور وہ غلطی عدا اختیار کی جائے تو حاشا! کلام بخاری پر اس قسم کا کوئی الزام قائم نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) بخاری نے ہر حدیث راویوں کے ذریعہ نقل کی ہے اور وہ راوی مصحوم نہیں۔ بلکہ ہر حدیث سے راوی ایسے ہیں جو بخاری کے نزدیک ثقہ ہیں۔ لیکن وہ سبوں کے حوالے کرتے نہیں اور کسی کو ثقہ یا غیر ثقہ قرار دینا ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔ اس میں اور جرم نہیں کہا جاسکتا۔

ان حالات میں ہم نے اس روایت پر اصرار فرمایا اور غور و فکر کے بعد جو امور سامنے آئے تھے وہ قارئین کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں۔ اس معاملہ میں کسی خاص فرد بشر یا کسی خاص گروہ کی تقلید نہیں کی۔

عمر عائشہ کے سلسلہ میں اب تک جن حضرات نے جو کچھ تحریر کیا ہے ان میں علمی لحاظ سے سب سے اہم کتاب حکیم نیاز احمد صاحب کی کتاب "عمر عائشہ" ہے۔ لیکن اس میں فنی

مباحث کی بہت ہے جس کے باعث ہم جیسے طالب علموں کی کچھ سے بالاتر ہے۔  
ہم اس سلسلہ میں نہ کوئی کتاب تصنیف کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہمارے پاس اتنا وقت  
ہے۔ ہم تو صرف ان تاثرات کو الفاظ کا جامہ پہنانا چاہتے ہیں جو مطالعہ کے دوران ہم پر اثر  
انداز ہوتے رہے ہیں۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بلوغ کی یہ حد صرف ام المومنین حضرت عائشہؓ تک  
محدود تھی یا تمام عرب میں ایسا ہوتا آیا ہے۔ کیونکہ اس قاعدہ کی رو سے تمام ان گرم ممالک میں  
جہاں کی آب و ہوا عرب جیسی ہو یا اس کے قریب ہو جیسا کہ بیشتر ممالک افریقہ، لیبیا، ٹیونس،  
سوڈان، مراکش اور ایشیا کے وہ علاقے جو منظرہ حارہ پر واقع ہیں یا اس کے قریب واقع ہیں۔  
جیسا کہ پاکستان میں ملتان، سکھر، سی اور جیکب آباد کے علاقے اپنی گرمی کے باعث مشہور ہیں  
ان تمام ممالک میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے دس گیارہ سال کی  
عمر میں تمام لڑکیوں کو بالغ ہو جانا چاہئے اور پاکستان میں دو چار لاکھ نہ سی دو چار ہزار سی نو  
سالہ عمر کی مثالیں دستیاب ہونی چاہئے تھیں۔ اور جزیرۃ العرب میں ایسی لاتعداد تمشیلات پائی  
جانی چاہئے تھیں۔ اگر تاریخ نے اس قسم کے واقعات کو نظر انداز کر دیا تھا اور انھیں قابل ذکر  
تصور نہیں کیا تھا تو آج بھی جزیرۃ العرب اسی جگہ برقرار ہے اور آج بھی مکہ اور مدینہ علیٰ حالہ  
اپنی جگہ قائم ہیں۔ وہ لہنے مقام سے ایک انچ نہیں ہٹے۔ آج بھی جزیرۃ العرب کی آب و ہوا وہی  
ہے جو آج سے پندرہ سو سال قبل تھی۔ آج بھی مکہ کی گرمی مشہور ہے بلکہ ہم تو مارچ کے مہینہ  
میں وہاں کی گرمی کا مزہ چکھ چکے ہیں اور آج اس دور کی نسبت مواصلات کے ذرائع کافی تعداد میں  
میر ہیں۔ بلکہ لاکھوں پاکستانی سرزمین عرب میں برسر روزگار ہیں۔ اور بہت سوں کے بیوی  
بچے وہاں زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن آج تک ہمارے سامنے کسی نے یہ شگوفہ نہیں پیش کیا  
کہ وہاں لڑکیاں اس عمر میں بالغ ہو جاتی ہیں اور کسی پاکستانی نے ہم سے آج تک یہ بیان نہیں  
کیا کہ صاحب میرے بیوی بچے سعودیہ میں میرے پاس رہتے تھے اور وہاں کی آب و ہوا کا نتیجہ  
یہ برآمد ہوا کہ ماشاء اللہ سب ہی نو سال کی عمر میں شادی کے قابل ہو گئے ہیں۔ صاحب اب  
ہمیں یقین آ گیا کہ واقعات ام المومنینؓ کی رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی ہوگی۔ اگرچہ یہ اشکال  
تب بھی قائم رہے گا کہ اس زمانے کی بقیہ لڑکیوں کی کیا صورت حال تھی جو انشاء اللہ ہم آئندہ  
پیش کریں گے۔

یہاں ہم جو کچھ بھی لکھ رہے یا لکھنا چاہتے ہیں اس کا مقصد بخاری و مسلم کی حدیث کا

رد نہیں بلکہ دشمنان اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جو کچھ اچھلتے ہیں اسکا جواب مقصود ہے۔

بہر صورت یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بخاری و مسلم کے راویوں سے زیادہ معظم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو تسلیم کئے بغیر ایمان و اسلام کا کوئی وجود نہیں۔ اور بخاری و مسلم کے راویوں پر ایمان لانا ہم پر لازم ہے اور نہ ان راویوں کی ذاتیات کا ایمان سے کوئی تعلق ہے۔

ہم تو ایک مومنانہ اور طالب علمانہ حیثیت سے صرف اتنی بات جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تو بہت اعلیٰ و ارفع بلکہ ہمارے تخیلات سے بھی زیادہ بلند و بالا ہے اگر کسی روایت سے کسی اور نبی کی شان نبوت پر حرف آتا ہو تو ہمارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی داستان کو زمین پر دے مارنا چاہئے۔

معاف کیجئے یہ الفاظ بھی ہمارے نہیں۔ محدثین جگہ جگہ یہ لفظ استعمال فرماتے ہیں اور ہم نے۔۔ "اس روایت کو پھینک مارو" وہ تو معمولی سی غامی دیکھ کر یہ بات فرماتے ہیں۔ یہاں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کہہ کر کو بو ابوس بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ آپ کی ذات کی خاطر لاکھوں ایسی روایات قربان کی جاسکتی ہیں۔ جو عن حشام بن عروہ کے ذریعہ بروی ہوں۔ اس لئے کہ یہ تمام سندات اور یہ تمام محدثین حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات کا کرشمہ ہیں۔ ہم انھیں آپ کی ذات پر قربان کرتے ہیں۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں اور محدثین نے اس کی صراحت بھی کی ہے کہ جو حدیث حسیات اور مشاہدے کے خلاف ہو یقیناً وہ موضوع ہوتی ہے حتیٰ کہ ابن جوزی تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو روایت عقل صریح کے خلاف ہو یقیناً وہ موضوع ہوگی بلکہ ایسی روایت کے راویوں پر بحث بھی فضول ہے۔ اور محدثین کرام نے اس اصول سے متعدد جگہ کام لیا ہے۔ اگر ہم نے لپٹنے اور پابندی عائد نہ کی ہوتی کہ ہم کوئی کتاب تحریر نہ کریں گے تو ہم اصول کی متعدد مثالیں قارئین کے سامنے پیش کر دیتے۔

ہم محدثین کرام کے اس فیصلہ سے بھی باخبر ہیں کہ کسی راوی کی صداقت یا کذب کا فیصلہ ایک ظنی امر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ جسے ہم سچا سمجھ رہے ہیں وہ دراصل سچا نہ ہو اور جسے ہم جھوٹا قرار دے رہے ہیں فی الواقع وہ جھوٹا نہ ہو۔ اور یہ بھی یقینی شے نہیں کہ ہر جھوٹا راوی ہمیشہ جھوٹ ہی بولتا ہو اور ہر سچا راوی ہمیشہ سچ ہی بولتا ہو، کیونکہ کسی نے دوسرے

کادل چیر کر نہیں دیکھا۔

محدثین کرامؓ جب کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ صادق ہے۔ ثقہ ہے۔ نیک آدمی ہے تو وہ اس راوی کے ظہر کو دیکھ کر یا لوگوں سے سن کر فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ ان کا ایک ظن غالب ہوتا ہے۔ اور ہر صورت میں یہ امکان باقی رہتا ہے کہ فی الواقع وہ راوی صادق نہ ہو بلکہ دھوکہ دہی کے ذریعہ لوگوں میں نیک اور پارہا پارہا بن گیا ہو۔ اور جسے وہ جھوٹا قرار دے رہے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ اسے اس کے دشمنوں نے بدنام کر دیا ہو، اور وہ واقعاً جھوٹا نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات راوی کے بارے میں محدثین کے فیصلے مختلف ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر عبدالرزاق بن ہمام کو دیکھ لیجیے۔ متعدد محدثین کا فیصلہ ہے کہ وہ ثقہ ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں وہ شیعہ ہے۔ میرے سلمیٰ نے فلاں فلاں بات ہوئی۔ احمد کہتے ہیں میں نے تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔ یزید بن زریع کہتے ہیں وہ تورافضی ہے اور اللہ کی قسم وہ تو واقعی سے زیادہ جھوٹا ہے۔

ہمارے لئے یہ تمام حضرات محدثین قابل احترام ہیں۔ ان کی آراء میں جو تعارض پیدا ہو رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات میں سے ہر شخص اپنا تجربہ اور مشاہدہ بیان کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہمیں ان حضرات کے فیصلوں میں سے ایک نہ ایک کو قبول کرنا ہے۔ ان حضرات محدثین کے پاس کوئی ایسا خبر نامہ یا آئہ موجود نہ تھا جس سے وہ راوی کی صداقت اور کذب بیانی کا پتہ چلائے۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً ان حضرات میں ہرگز اختلاف واقع نہ ہوتا۔ اور ہمارے پاس بھی کوئی ایسا آئہ موجود نہیں اور نہ دنیا میں توج تک کوئی ایسا آئہ لکھا ہوا ہے جو سرنے والوں کی صداقت اور کذب بیانی کا پتہ چلا سکے۔

اس سے یہ بات واضح ہو کر سلمیٰ آگئی کہ جب کوئی محدث یہ کہتا ہے کہ فلاں حدیث صحیح ہے اور فلاں روایت منکر ہے۔ تو وہ معلومات اور تحلیل پیش کرتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ فی الواقع اس کی رائے درست بھی ہو۔ لیکن جس نے اپنی رائے اور اپنے علم سے یہ فیصلہ دیا ہے، ہم اسے بھی ہرگز جھوٹا نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ وہ اپنی جانب سے جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔

ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ ایک محدث کے پیش نظر امام احمد کا مشاہدہ ہو اور دوسرا جو اس راوی کی روایت کا انکار کر رہا ہے اس کے سلمیٰ کسی اور محدث کا فیصلہ ہو۔

اس سے یہ نتیجہ سامنے آیا کہ جب محدثین یہ کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ ان کا اپنا ظن ہوتا ہے۔ اب اگر اسے کوئی قرآن کی طرح صحیح تصور کرنے لگے۔ یاد دہرا اس محدث کی ذات پر اعتراضات شروع کر دے تو ہمارے نزدیک یہ دونوں اس لائق ہیں کہ ان کا دعائی علاج کرایا جائے کیونکہ - حقیقہ ہے کہ حقیقہ میں خلل ہے دماغ کا "فرق صرف یہ ہے کہ کسی کو اس کے صحیح ماننے کا حقیقہ ہے اور کسی کو اس کی تکذیب کا حقیقہ ہے کسی کو محدثین کی جاوید بیجا بات کا حقیقہ ہے اور کسی کو ان کی دشمنی کا حقیقہ ہے۔ کوئی اکابر پرستی کا حقیقہ ہے اور کسی کو اس بات کا حقیقہ ہے کہ جو اسلاف کا نام لے اس کا منہ فوج لو۔ بہر صورت ہر دو حقیقہ ہیں، اور بقول امام الحقیق

کہتے ہیں جس کو حقیقہ خلل ہے دماغ کا

ہم یہ بھی جانتے ہیں اور دنیا نے اسلام کا ہر فرد و بشر اس بات کو خوب جانتا اور اس پر ایمان رکھتا ہے کہ انبیاء کریم کے علاوہ کوئی معصوم نہیں۔ بلکہ وہ بھی سب و نسیان اور خطائے اجتہادی سے پاک نہیں تو یہ تصور کہ بخاری و مسلم یا کوئی اور ثقہ راوی سب و نسیان یا خطا سے پاک ہے۔ یہ براہ راست انبیاء کریم علیہم السلام کی ذات پر حملہ ہے۔ میں اس تصور کے سلسلے میں اس وقت صرف اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں کہ سبائوں نے صرف بارہ اماموں کو معصوم مانا تھا لیکن ہمارے سنی بھائیوں نے اپنی جہالت اور حماقت سے لاکھوں معصومین کی فوج تیار کر دی۔ بلکہ عالم بلا میں یہ معصومین اتنی تعداد میں جا لیے ہیں کہ "اڑنی خبری ہے زبانی طیور کی" کہ وہاں ان کی مردم شماری ہونے والی ہے تاکہ ان کی باقاعدہ بستوں کا انتظام کیا جاسکے۔

بھی وجہ ہے کہ محدثین کریم ثقہ راویوں کی بعض روایات کو منکر قرار دیتے ہیں۔ کتب رجال میں اس کی لاتعداد مثالیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔ علی ابن المدینی نے امام مالک کی تین روایات کو منکر قرار دیا ہے۔ احمد ابن حنبل نے سفیان بن عیینہ کی منکرات کی تعداد تیس سے زیادہ قرار دی ہیں۔ ابن حزم نے بخاری کی معراج والی روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

ہم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ نے صحابہ کی مرویات پر تنقید فرمائی اور فرمایا "میں یہ تو نہیں کہتی کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں لیکن کلن سننے میں غلطی کر جاتے ہیں۔" بخاری و مسلم میں اس قسم کی متعدد تنقیدات موجود ہیں۔ اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ بعض اوقات ادوی انتہائی مستحکم ہوتا ہے۔ لیکن اس کی بیان کردہ روایت تب بھی غلط ہوتی ہے۔

کبھی اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ راوی نے لادھوری بات سنی ہوتی ہے۔ کبھی راوی



مفہوم غلط کچھ بیٹھتا ہے، کبھی اس سے بھول واقع ہوتی ہے۔ ہم بھی بقول ہم المؤمنینؑ یہ کہتے ہیں کہ راوی سے سننے میں غلطی ہوئی۔ جملہ بولا گیا تھامع عشرہ (انہیں) راوی نے صرف تسع (نو) کا لفظ سنا اور اس طرح اس داستان نے جنم لیا کہ بعض اوقات کان سننے میں غلطی کرتے ہیں۔

کیونکہ جب صحابہ کرامؓ سے غلطی ہو سکتی ہے اور جب حضرت عمرؓ ابوہریرہؓ، اور ابن عمرؓ وغیرہ غلطی کر سکتے ہیں تو عروہ بن الزبیر اور ابن کے صاحبزادے ہشام سے یقیناً غلطی ہو سکتی ہے۔ اور غلطی پکڑنے کی وجہ سے آج تک کسی نے ہم المؤمنین حضرت عائشہؓ کو منکر حدیث نہیں کہا تو اگر ہم ہشام کی غلطی بیان کرتے ہیں تو ہم کس قانون سے منکر حدیث ہوتے۔ کیونکہ کسی حدیث کا لفظ اور شے ہے اور غلطی کی نشان دہی اور شے ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو عقل سلیم عطا فرمائے اسی طرح جھوٹ بولتا اور شے ہے اور غلطی کا صدور اور شے ہے۔

عمر عائشہؓ کے سلسلے میں ہم اس بات کے مدعی نہیں ہیں کہ بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عائشہؓ کے نکل کے سلسلے میں جو روایت عن ہشام بن عروہ کی سند سے مروی ہے وہ موضوع ہے اور اس کا ظاہر راوی کذاب ہے۔ ہم نے بیجا دعویٰ ہرگز نہیں کیا بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اس روایت میں ہشام سے غلطی ہوئی اور اس نے غلطی سے انہیں کو نو بنا دیا۔ جس کی ہمارے پاس مختلف دلیلیں ہیں۔ اگر کوئی دلیل بھی نہ ہوتی تب بھی، اس روایت کو ہم منکر قرار دیتے، اس لئے کہ ہمیں اس روایت کے راویوں سے کہیں زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عورت پر ماری ہے۔۔۔۔

## پہلی دلیل

یہ روایت تجربہ و مشاہدہ اور فطرت انسانی کے خلاف ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکا صدور ممکن نہیں۔ اگر ایسا وقوعہ پیش آتا تو اس دور کے مخالفین اسلام اور دشمنان رسول آپ کی عورت سے کھیلنا شروع کر دیتے اور جب مخالفین اسلام کی جانب سے کوئی اعتراض ظہور میں نہیں آیا تو یہ ثابت ہوا کہ ایسا کوئی فعل سرزد نہیں ہوا جو کسی دشمن کو انگشت نمائی کا موقع ملتا۔ لازماً اس روایت میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہوئی۔ اور کیونکہ اس روایت کو حشام سے متعدد افراد نے نقل کیا ہے اس لحاظ سے تمام شبہات حشام پر جا کر مرکوز ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس روایت کا مرکزی راوی ہے۔

## دوسری دلیل

جو روایت عقل صریح کے خلاف ہو وہ باطل ہوتی ہے۔ یہ اصول ابن جوزی نے بیان کیا ہے اور یہ روایت قطعاً عقل کے خلاف ہے، ہم جیسے بد عقل انسان کی عقل اسے قبول نہیں کرتی۔ عقل کا تو کیا مسئلہ ہے۔ ہم نے آج تک تو جتنے عقلاء کو دیکھا۔۔۔ وہ یا تو اس کا انکار کرتے نظر آئے یا شک و شبہ کرتے نظر آئے۔

## تیسری دلیل

جزیرہ العرب اور دیگر گرم ممالک میں آج تک اس کی کوئی دوسری مثال دستیاب نہیں ہوئی۔ اگر ایسا ممکن ہوتا اور اس قسم کے واقعات گاہ بگاہ رونما ہوتے رہتے تو آج تک اس کی ہزار ہا مثالیں تاریخ میں موجود ہوتیں بلکہ موجودہ دور میں نہ صرف اخبارات کی زینت بنتی بلکہ دنیا کے اس گوشے سے اس گوشے تک ہر ملک کے ٹیلی ویژن اس کی تبلیغ میں مصروف ہو جاتے اور ہر ترقی یافتہ ملک لہنے لہنے سانس وا توں اور ڈاکٹروں کی ایک جماعت اس کام پر لگا دیتا اور ساہا سال اس کی تحقیقات ہوتی رہتی۔ حالانکہ اس قسم کا کوئی واقعہ آج تک دنیا کے سامنے

نہیں آیا۔ بلکہ ہمارے ہاں کے اخبارات میں اس قسم کے حادثات ضرور سامنے آتے رہے کہ کسی جھوٹی نے نو دس سالہ لڑکی کے ساتھ منہ کالا کیا۔ اور اس لڑکی کی موت واقع ہو گئی اور اس قسم کی حرکت کرنے والے شخص کو لوگوں نے جھوٹی کے نام سے نوازا اور آج تک ہمارے علماء اور مجاہد رسولؐ میں سے کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوئی بلکہ اتنی توفیق نصیب نہیں ہوئی کہ اس سنت نبویؐ پہ عمل کرتے ہوئے اپنی نو سالہ لڑکی کو رخصت فرماتے اور اچھائے سنت کا سہرا لپنے سر باندھتے۔ ہم تو کند ذہن ایک گناہگار انسان ہیں، ہمارے علماء اس کی عملی مثال ہمارے سامنے پیش فرمائیں تاکہ ہم جیسے کند ذہن آپ حضرات کی تقلید کر سکیں۔ یہ کہہ کر لوگوں سے بات نہیں منوائی جاسکتی کہ ہم تاریخ کو نہیں ملتے، آپ حضرات شاید یقین نہ فرمائیں کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے تک ہمارے علماء اس بات پر مصر تھے کہ سورج اور چاند زمین کے گرد گھومتے ہیں، لیکن جب ان کے سامنے سائنسی حقیقات پیش کی جاتیں تو ارشاد ہوتا کہ ہم سائنس کو نہیں ملتے۔ عوام کی زبان میں اسے یوں کہا جاتا ہے ”میں تو نہ مانوں“ چنانچہ اس معاملہ میں بھی عام طور پر یہی رویہ اختیار کیا گیا ہے۔

جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے ایک جانب تو دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم تاریخ کو نہیں ملتے اور دوسرے ہی لمحہ حال یہ ہوتا ہے کہ تاریخ کی جھوٹی کہانیوں کے بل بوتے پر منبر سے یزید پلید کے نعرے لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور کربلائی داستانیں ہمارا ملاحظہ طرح دھراتا ہے، اتنی توفیق تو بے چارے مورخین کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ اسی لئے ہم تاریخ پر بعد میں گفتگو کریں گے پہلے ہم حدیث، اصول حدیث، رجال اور علل وغیرہ کی باتیں کر لیں۔ کیونکہ ان فنون کو ہمارے علماء تسلیم کرتے ہیں۔ ہم تو اس جانب ان کی توجہ منعطف کرنا چاہتے ہیں۔

## چوتھی دلیل

ہم نے ہشام کی روایت کا بغور مطالعہ کیا۔ اس کے لئے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی ابن ماجہ، دارمی اور مسند حمیدی کی سندات جمع کیں تو انہیں جمع کرنے کے بعد ایک نئے حقدے کا اکتشاف ہوا۔ کچھ راوی تو اسے ام المومنین حضرت عائشہؓ کا قول بیان کر رہے ہیں اور کچھ نے اسے عروہ کا قول بیان کیا ہے۔ بہر صورت یہ حدیث رسولؐ تو ہرگز نہیں یا یہ قول عائشہؓ ہے یا یہ قول عروہ ہے جو تابعی ہے اور ام المومنین عائشہؓ کا صحابہ ہے۔ اگر یہ عروہ کا قول ہے تو

۱۲  
 اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جب کسی روایت کے متصل اور  
 موقوف ہونے میں راولیوں کا اختلاف ہوتا ہے تو عام طور پر محدثین اسے موقوف قرار دیتے ہیں  
 اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ عرودہ کا ایک تاریخی قول ہوا۔ جس کی حیثیت صرف ایک  
 قول کی ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں اور عرودہ کے قول کو رد کرنا کوئی  
 گناہ نہیں۔ ہمارے علماء اولاً اس کا متصل ہونا ثابت کریں تاکہ ہم غور کر سکیں ابھی تو ہم اسے  
 قابل غور ہی نہیں سمجھتے۔

## پانچویں دلیل

عرودہ سے یہ روایت نقل کرنے والا ان کا بیٹا ہشام ہے۔ ہمارے نزدیک اس روایت  
 میں تمام گڑبڑ اسی ہشام کے باعث پیدا ہوئی ہے۔ علماء تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ بخاری و مسلم  
 کا راوی ہے لہذا معصوم عن الخطا ہے۔ لیکن ہم نے اپنی زندگی کے متعدد سال رجال کی چھان  
 بین میں صرف کچھ میں اور اس نتیجے میں ہم اس منزل پر پہنچے ہیں کہ ہشام کی زندگی کے دو دور  
 ہیں۔ ایک مدنی دور اور ایک عرقی دور۔

مدنی دور ۱۳۱ھ تک قائم رہا۔ اس دور میں اس کے سب سے لام شاگرد امام مالک میں۔  
 انہوں نے اپنی سوطاء میں متعدد روایات لی ہیں لیکن یہ نکاح والی روایت امام مالک کی کتاب  
 میں دستیاب نہیں ہوتی۔

امام ابو حنیفہ بھی اسی دور کے شاگرد ہیں لیکن امام ابو حنیفہ نے بھی اس روایت کو کہیں

نقل نہیں کیا۔

ہشام کا دور ۱۳۱ھ سے شروع ہوتا ہے۔ ۱۳۱ھ تک ہشام، سب کے نزدیک  
 بلاشبہ ثقہ تھے اور حضرت عائشہ کی احادیث کا ایک مرکزی کردار تھے۔ لیکن جب انہوں نے ۱۳۱ھ  
 میں اپنی بیٹی کی شادی پر ایک لاکھ اس اسید پر قرض لے کر فرج کر ڈالے کہ غلیظہ وقت سے  
 مدد لے لوں گا اور قرض اتار دوں گا۔ لیکن ہوا یہ کہ بنو اسید کی حکومت تبدیل ہو گئی اور بنو  
 عباس برسر اقتدار آگئے۔ یہ اسیدوں کا محل سمائے غلظہ لا پہنچے اور غلیظہ منصور کے سلطنتی دست  
 موائل دراز کیا۔ اس نے اولاً تو طاعت شروع کی کہ تم کو کس الحق نے یہ مشورہ دیا تھا۔ لیکن یہ  
 بھی پیچڑ بن کر منصور جیسے کنوس کمی چوس کو چھٹ گئے۔ اور اس نے انہیں مجبور ہو کر دس

بزار تھا دیا۔ یہ ان کا پہلا دماغی جھٹکا تھا۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے روایات میں بہکنا شروع کر دیا۔ وہ روایات جو لہنے و لاد سے نہیں سنی تھیں وہ بھی لہنے و لاد عروہ کی جانب سے ضروب کر دیں۔

لیکن اس امید پر کہ کچھ دن بعد علیہ وقت سے کچھ اور وصول کر لوں گا مدینہ چلے گئے۔ کچھ روز قیام کے بعد کچھ نئی امیدوں کے سہارے پھر عازم بغداد ہوئے اور اب کی بار تھوڑا بہت مال وصول کر ڈالا اور پھر مدینہ پہنچ گئے۔ غالباً قرض خواہوں کا مدد بند کرنے کے لئے لیکن کچھ عرصہ بعد پھر وارد بغداد ہوئے اور پھر ہمیشہ کے لئے یہیں مقیم ہو گئے۔ اور یہیں بغداد میں ۱۳۹ھ میں انتقال فرمایا۔ ان کی مرویات میں جتنی گڑبڑ ہے اب نہیں وہ سب سرزمین عراق میں ہوئیں۔ عراق پہنچنے کے بعد ان کے حاطے میں تغیر یہ ہو گیا تھا۔

یعقوب بن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ ان کی کسی دولت کا انکار نہیں کیا گیا تھا۔ مگر جب یہ عراق گئے تو انہوں نے لہنے و لاد عروہ کے واسطے سے بہت سی ایسی روایات بیان کیں جنہیں دل مدینہ نے برا تصور کیا۔ مدینہ میں رہتے ہوئے ہشام صرف وہی احادیث بیان کر سکتے جو انہوں نے لہنے و لاد سے سنی تھیں۔ لیکن عراق پہنچنے کے بعد لہنے و لاد سے ضروب کر کے وہ روایات بھی مرسل بیان کرنا شروع کر دیں جو انہوں نے لادوں سے سنی تھیں۔ لہنے و لاد سے نہیں سنی تھیں۔ لہذا ہشام کی وہ روایات جو لاد عراقیوں سے نقل کریں ان کا کوئی جبرور نہیں۔ (تہذیب التہذیب ص ۳۵ ج ۱)

اللہ تعالیٰ ابن جریر کو فریق رحمت کرے انہوں نے یعقوب بن ابی شیبہ کے حوالے سے کتنی عمدہ بات فرمائی ہے۔ انہوں نے تمام مسئلہ ہی حل فرما دیا ہے۔ کہ ہشام کی وہ روایات ناقابل اعتبار ہیں جو ان سے لاد عراقی نقل کریں۔ حضرت عائشہ کی رخصتی نو سالہ اور نکاح چھ سالہ ہشام سے لاد عراقی نے نقل کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جلدی والی کہانی ہشام سے لاد عراقی نے نقل کی ہے۔ حضرت عائشہ کی گویں کھینچنے کی کہانیاں ہشام سے لاد عراقی نے نقل کی ہیں۔ قرآن مجید یعقوب بن ابی شیبہ اور حافظ ابن جریر کے کہ انہوں نے یہ بات کہہ کر کہ ہشام سے جو روایات لاد عراقی نقل کریں ان کا کوئی جبرور نہیں۔ انہوں نے ہمارے لئے سچ کی نئی روایات کھول دی ہیں۔ انہوں نے لہنے و لاد سے بخاری و مسلم کو خارج نہیں کیا۔ لہذا ہم بخاری و مسلم سے اب وہ احادیث تلاش کریں گے۔ جنہیں لاد عراقی نے ہشام سے نقل کیا ہو۔ اگر ہم ان سب کو ناقابل قبول قرار دیں تو بعد میں ہمارے علماء ناراض

نہ ہوں۔ ہمیں یہ اصول اسلاف ہی نے دیا ہے۔ ہم تو ان حضرات کے لئے دعاگو ہیں کہ ان حضرات نے یہ اصول پیش کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو عراقیوں کے ناجائز حملے سے محفوظ فرمادیا۔

حافظ ذہبی ہشام کے حالات لکھتے ہیں کہ آخری عمر میں ان کے حافظہ میں تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ اور ابوالحسن بن القطان کا دعویٰ ہے کہ آخری عمر میں احادیث اور ان کی سندات میں گڑبڑ کرنے لگے تھے۔ بلکہ حافظ حنفلی نے تو یہاں تک تحریر کیا ہے **قد خرف اخر عمره** (اپنی آخری عمر میں سٹھیا گئے تھے)۔

ذہبی میزان میں تحریر فرماتے ہیں کہ جوانی میں ان کا حافظہ جیسا عمدہ تھا بڑھاپے میں باقی نہ رہا۔ اور عراق میں تو انہوں نے لوگوں کے سامنے بہت سی ایسی احادیث پیش کیں جنہیں یہ صحیح طور پر بیان نہ کر سکے۔ میزان الاعتدال، ج ۳، ترجمہ ہشام

امام مالک جو ہشام کے شاگردوں میں داخل ہیں اور جنہوں نے موطاء میں ہشام کی متعدد روایات نقل کیں۔ ان کا ایک دور تو وہ تھا کہ وہ ہر معاملہ میں ہشام کے قول کو حرف آخر تصور کرتے تھے۔ لیکن عراق پہنچنے کے بعد ہشام نے کاربائے نمایاں انہما دئے تو امام مالک بھی ان سے خوش نہ رہے۔ حتیٰ کہ عبدالرحمان بن خراش کا بیان ہے۔

### وکان مالک لا یرضاه و نقم علیہ حدیثہ لامل العراق

(امام مالک اسے پسند نہ کرتے۔ انہوں نے ان پر اہل عراق کی احادیث کے باعث اعتراض کئے ہیں۔)

اور ابن حجر نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ عراقی روایات کے باعث تمام اہل مدینہ نے ان پر اعتراضات شروع کر دیے۔

ابن ہشام کے ذہن پر یہ نو سال کچھ اس طرح بھوت بن کر سوار ہوتے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو بھی نو سالہ بنا ڈالا۔ ذہبی نے واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ فاطمہ بنت المنذر لہنے خاوند ہشام سے بڑی تھیں اور حافظہ ذہبی نے ہشام کے ان اور شاہد عالی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فاطمہ ہشام سے عمر میں تیرہ سال بڑی تھیں یعنی جب نو سال کی عمر میں وہ ہشام کے گھر رخصت ہو کر آئیں تو جناب ہشام کو ابھی تولد ہونے میں چار سال باقی تھے اور جناب ہشام نے اس وقت سے اپنی بیوی کا پلو بھی کسی کو دیکھنے نہیں دیا۔ ہم نے آج تک اس سے بڑی کراہت کوئی نہیں دیکھی۔ بزرگوں کی ہر بات رالی ہوتی ہے۔ اس کو گھننا ہر ایک



عراق پہنچے تو ان کی عمر اکتھتر سال تھی۔ اور اکتھتر سال کی عمر تک مدینہ میں ان کو کوئی ایسا شخص نہ ملا جو ان سے یہ داستان نقل کرتا۔

ایسی صورت میں یہ روایت دو محل سے طلی نہیں۔ یا تو کوفیوں نے اسے وضع کر کے ہشام کی جانب منسوب کیا ہے یا واقعاً ہشام پر عراق کی آمد ہو جانے کا گہرا اثر ڈالا کہ انھیں لہذا آپ کی بھی خبر نہ رہی کہ اپنی بیوی فاطمہ بنتہ المنذر کو نو سال کی عمر میں اپنی پیدائش سے چار سال قبل رخصت کر کے لے آئے۔ یہ ایک ایسا تاریخی کارنامہ ہے جسے تاریخ تک روئے زمین کا کوئی اور شخص انہماک نہ دے سکا تھا۔ عراق پہنچنے کے بعد جب حقل و شعور کا یہ عالم ہو گیا تو قارئین خود ہی اندازہ فرما سکتے ہیں کہ نو سال کی عمر میں رخصت کی کیا حیثیت ہے۔

ہم خود ہشام کے بہت مداح ہیں۔ اور ہمیں ہشام کا ایک قول تاریخ تک حفظ ہے جو انھوں نے اپنی حلی زندگی میں فرمایا تھا۔ ہم نے تاریخ تک اسے اپنی گروہ سے باندھ رکھا ہے۔

قد نینا آپ بھی یاد فرمائیں۔ کیونکہ مثل مشہور ہے کہ داشت آید بکار۔ ان کا قول زندگی میں بہت کام دے گا۔۔۔۔۔

انھوں نے فرمایا تھا۔

اذا حصدتک العراقی بالفضہ  
حصدتک خلقی تسع سناتہ وتسعین  
وکن من الباقی فی اشک  
جب تم سے کوئی عراقی ایک ہزار احادیث بیان کرے تو نو سو نوے تو زمین پر ہینک بارو اور باقی دس میں بھی شک کرتے رہو۔

اگر ہم ان کے اس قول کو پیش نظر رکھیں تو بہت سے مسائل خود بخود حل ہوتے چلے جاتے گے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ محدثین کا ایک اصول بھی پیش نظر رکھنے جو بیہوشی سے جد الرحمن ہیں بھی یاد کیا ہے۔

اذا روینافی الحلال والحرام والاحکام شہوتانی الا سانیہو  
امتکملنی الرجال واذا روینافی الفضائل والشوائب والسقاب  
سحلتانی الا سانیہو تسامتانی الرجال۔

(فتح البیٹ صفحہ نمبر ۱۳۰)

جب ہم حلال و حرام اور احکام کی احادیث روایت کرتے ہیں تو سندات کے معاملہ میں شدت اختیار کرتے اور رجال پر تنقیہ کرتے ہیں۔ لیکن جب ہم فضائل اور ثواب و عذاب کی روایات



بیان کرتے ہیں تو اس میں نرمی اختیار کرتے اور رجال کی طرف چشم پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔  
 عبدالرحمن بن ہمدی بخاری و مسلم کے اسناد میں فن رجال کے ایک اہم ستون ہیں۔  
 وہ تمام محدثین کی جانب سے اس امر کا اعلان کر رہے ہیں کہ ہم سندت پر جو غور کرتے اور ان  
 پر جرح و تعدیل کرتے ہیں وہ صرف ان احادیث میں کرتے ہیں جن کا تعلق حلال و حرام اور  
 احکام سے ہوتا ہے۔ اور جن روایات کا تعلق ابن ہور سے نہیں ہوتا وہاں ہم راویوں کے  
 معاملے میں نرم روش اختیار کرتے اور چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً فضائل سے متعلق  
 روایات خواہ ان فضائل کا تعلق کسی شخص کی ذات سے ہو یا اعمال سے، کسی بد عملی پر عذاب  
 کی روایت ہو یا کوئی تاریخی واقعہ ہو تو اس قسم کے معطلات میں محدثین چھان بین نہیں کرتے  
 غالباً یہی وجہ ہوگی کہ محدثین نے حضرت عائشہ کی نو سادہ عمر والی روایت پر کوئی بحث کرنا  
 ضروری نہیں سمجھا۔ اور ممکن ہے کہ امام بخاری نے اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس  
 قسم کی روایت میں نرم روش اختیار کی ہو جو آج قدرے کا باعث بن گئی۔

ہم مذہبی داستانیں حصہ دوم کے مقدمہ میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ صحیح بخاری کے چار  
 نسخوں میں سے فربری کے نسخہ میں تین سو روایات زیادہ ہیں۔ اگر آج وہ تین نسخے موجود ہوتے  
 تو ہم ان میں اس روایت کو دیکھ لیتے کیونکہ ہمارا امکان یہ ہے کہ یہ روایت یقیناً فربری کے نسخہ  
 میں زیادہ ہے۔

اصول حدیث کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی راوی کا آخر عمر میں حافظہ خراب  
 ہو جائے تو اس کی وہ روایات قبول نہیں کی جاتیں جو اس کے شاگردوں نے نقل کی ہوں  
 جنہوں نے خرابی حافظہ کے بعد روایات سنی ہوں۔ حافظ ابن حجر کا دعویٰ یہ ہے کہ بخاری نے  
 اپنی کتاب میں کسی ایسے راوی کی روایت نہیں لی۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے  
 کہ عراق آتے کے بعد ہشام کا حافظہ جو اب دے گیا تھا۔ لیل عراق لے ان سے جو روایات نقل  
 کی ہیں وہ خرابی حافظہ کے بعد نقل کی ہیں۔ امام بخاری کیلئے ہرگز یہ مناسب نہ تھا کہ وہ ہشام کی  
 وہ روایات نقل کرتے جو ان سے لیل عراق نقل کر رہے ہیں۔ اصول اپنی جگہ ہے، یہ دوسری  
 بات ہے کہ کسی فرد واحد یا طبقہ نے اصنت بالبخاری کا کلمہ پڑھا ہو۔ ہاں ہم سے کوئی  
 اس کا مطالبہ کرے کہ ہشام کے علاوہ کوئی اور مثال پیش کرے تو ہمارے پاس اور بھی مثالیں  
 موجود ہیں۔ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم بخاری کے مخالف ہیں۔ حاشا وکلا، ہم اصولی گفتگو کر رہے ہیں۔  
 قانون شخصیتوں سے تبدیل نہیں ہوتا۔

## ساتویں دلیل

یہ تو روایت ہشام پر بحث تھی۔ اب آئیے بخاری کی ایک اور حدیث کی جانب جو امام بخاری نے کتاب التفسیر میں ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ ام المومنین ارشاد فرماتی ہیں کہ جب مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

بل الساعة موعدهم والساعة ادهم وامر (القمر)

تو میں اس وقت لڑکی تھی اور کھیلتی پھرا کرتی تھی۔

یہ سورت القمر کی آیت ہے۔ اور یہ سورۃ قمر شق القمر کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔ شق قمر کا واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل کا ہے۔ مفسرین کا بیان ہے کہ یہ سورت سن ۴ نبوی میں نازل ہوئی اور اس وقت ام المومنین عائشہ ایک لڑکی تھیں اور کھیلتی پھرتی تھیں۔

ہمارے نزدیک یہ روایت ہشام کی روایت کے قطعاً مخالف ہے۔ اس لئے کہ ہشام کی روایت کی رو سے یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ ام المومنین سن ۵ نبوی میں پیدا ہوئیں۔ ہمارے تمام علماء اسی کے قائل ہیں لیکن بخاری کی روایت یہ ثابت کر رہی ہے کہ ام المومنین نے اپنی پیدائش سے قبل ہی یہ آیت یاد کر لی تھی اور اپنی پیدائش سے قبل ہی وہ مکہ میں کھیلتی پھرا کرتی تھیں۔

..... فیا للعجب

اس منزل پر پہنچ کر ہر شخص دو فیصلوں میں سے ایک فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا۔

۱ روایت ہشام درست ہے۔ اور یہ روایت ناقابل قبول ہے۔

۲ یہ روایت صحیح ہے اور روایت ہشام غلط ہے۔

علماء نے پہلا فیصلہ قبول کیا اور ہم نے دوسری شق کو اختیار کیا ہے۔ اگر ہم منکر حدیث میں تو ماشاء اللہ ہم سب ہی ایک منزل کے رہیں اگر ہم بخاری کی حدیث سے منکر ہیں تو ماشاء اللہ ہمارے علماء ہم سے ہرگز پیچھے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ انداز فکر ہم نے انہی سے حاصل کیا ہے۔

یہ روایت یہ ثابت کر رہی ہے کہ ام المومنین سن ۴ نبوی میں اتنی عمر کی ضرور تھیں کہ لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی پھرتی تھیں۔ اور احتیاطاً رکھتی تھیں کہ ان کو یہ معلوم تھا کہ یہ قرآن سننے آیت ہے اور اس وقت سے ان کے ذہن میں محفوظ بھی تھی۔ اگر ہم سن ۴ نبوی میں ان کی

عمر چھ سال بھی تسلیم کر لیں تو یہ خود بخود ثابت ہو جائے گا کہ ہم المؤمنینِ بھشت رسول سے کم از کم دو سال قبل پیدا ہوئیں۔ اور اس حساب سے ان کی عمر سترہ سال بنتی ہے۔ لہذا فیصلہ کی صورت یہی ہے کہ ایک روایت کو قبول کرو اور دوسری کا انکار کرو۔ اور ہمارا جرم صرف اتنا ہے کہ ہم نے کتاب التفسیر کی روایت کو قبول کیا ہے۔ ہم ہرگز صحیح بخاری سے بہرہ نہیں گئے۔۔۔۔۔ وہ بے وقوف لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم حدیث کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ خود انکار حدیث کا شکار ہیں۔

## آٹھویں دلیل

صحیح بخاری میں ہجرت کے سلسلہ میں ایک روایت ہم المؤمنین سے مروی ہے جو ان سے مروی نقل کر رہے ہیں۔ اور عروہ سے زہری ناقل ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس روایت کو کسی عراقی نے نقل نہیں کیا۔ بلکہ اسے نقل کرنے والے راویوں میں دو مصری، ایک شامی اور دو مدنی ہیں۔

ہم المؤمنین فرماتی ہیں کہ ”جب سے مجھے عقل آئی تو میں نے والدین کو دین اسلام پر پایا اور کوئی دن ایسا نہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی علیہ وسلم صبح و شام ہمارے جہاں تشریف نہ لاتے ہوں۔“

پھر جب مسلمانوں کو ستایا جانے لگا تو ابو بکر ہجرت کا ارادہ کر کے حبشہ کی جانب چل دئے۔ حتیٰ کہ جب مقام برک الخمد پہنچے تو قبیلہ قارہ کا سردار ابن الدغنه راہ میں ملا۔ اس نے سوال کیا، ”اے ابو بکر کدھر کے ارادے ہیں؟“ ابو بکر نے جواب دیا۔ ”میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے،“ ابن الدغنه نے جواب دیا ”تم جیسا آدمی نہ نکلتا ہے اور نہ نکلا جاسکتا ہے۔ تم ناداروں کی مدد کرتے، صلہ رچی کرتے، بیگسوں کی کفالت کرتے، جہانوں کی ضیافت کرتے اور دوسروں کے لئے حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہو۔ میں تمہیں اپنی حمایت اور پناہ میں لینا ہوں، واپس چلو اور اپنے شہر میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کرو۔“

پس ابو بکر لوٹ آئے اور ابن الدغنه بھی ساتھ آیا۔ ابن الدغنه شام کے وقت اشراف قریش کے پاس گیا۔ اور کہا ”ابو بکر جیسا آدمی نہ خود مجبور ہو کر نکلتا ہے اور نہ اس جیسی ہستی کو نکلا جاسکتا ہے۔ کیا تم ایسے شخص کو نکال رہے ہو جو نادار کی مدد کرتا، رشتہ داروں کے ساتھ

سلوک کرتا۔ گرے ہوؤں کو اٹھاتا۔ ہمان نوازی کرتا اور حق کی ضرورت میں اعانت کرتا ہے۔  
 قریش نے ابن اللخنہ کی اس امان کو رد نہیں کیا۔ لیکن انھوں نے ابن اللخنہ سے کہا جاؤ ابو بکر  
 سے کہو کہ "لہنے رعب کی عبادت لہنے گھر میں کرے اور لہنے گھر میں نماز پڑھے اور جو چاہے  
 لہنے گھر میں پڑھے لیکن ہمیں تکلیف نہ دے اور اپنی نماز کا اعلان نہ کرے اور لہنے گھر کے علاوہ  
 کہیں اور قرأت نہ کرے۔"

یہ سمجھتے ہوئے ابو بکر کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ لہنے گھر کے صحن میں مسجد بنا  
 ڈالیں۔ لہذا انھوں نے صحن خانہ میں مسجد بنا ڈالی اور اس میں نماز اور قرآن پڑھنے لگے،  
 مشرکین کے بچے اور عورتیں اس پر حیرت کا اظہار کرتیں اور اس عمل کو غور سے دیکھتیں  
 اور ابو بکر ایسے شخص تھے کہ قرآن پڑھتے تو ان کے آنسو بہنے لگتے۔

اشراف قریش اس صورت حال سے گھبرا اٹھے، انھوں نے ابن اللخنہ کو بلا بھیجا۔ وہ  
 ان کے پاس آیا تو انھوں نے شکایت کی کہ ہم نے تیری امان کے باعث ابو بکر کو پابند کیا تھا کہ  
 وہ لہنے گھر میں لہنے رعب کی عبادت کرے۔ لیکن اس نے عہد سے تہاؤز کرتے ہوئے گھر کے  
 صحن میں مسجد بنا ڈالی اور نماز میں بلند آواز سے قرأت کرنے لگا۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہماری  
 عورتیں اور بچے اس فتنے میں جھلکا نہ ہو جائیں لہذا اسے اس کام سے روکو، اگر ابو بکر کو یہ پسند  
 ہے کہ وہ لہنے گھر میں عبادت کرتا رہے تو ٹھیک ہے اگر وہ اعلانیہ یہ کام کرتا ہے تو تیری امان  
 واپس کر دے، ہمیں یہ اچھا نہیں لگتا کہ تیری امان توڑیں لیکن ہم ابو بکر کو اعلانیہ قرآن پڑھنے کی  
 اجازت نہیں دیں گے۔

ام المومنین فرماتی ہیں کہ ابن اللخنہ ابو بکر کے پاس آیا اور کہا تمہیں معلوم ہے کہ قریش  
 نے جس چیز پر تم سے عہد کیا تھا اگر تم اس عہد تک رہتے ہو تو میرا ذمہ اور عہد باقی ہے ورنہ  
 میری ذمہ داری واپس کر دو۔ مجھے یہ بات قطعاً پسند نہیں کہ عرب یہ بات سنیں کہ میں نے  
 جس شخص کا ذمہ لیا تھا اس سے میں نے اپنا ذمہ واپس لے لیا ہے۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا  
 میں تیرا ذمہ واپس کرتا ہوں اور میں اللہ کی ذمہ داری پر راضی ہوں۔ (بخاری ج ۱ ص

(۵۵۳)

اس حدیث میں ہم المومنین حضرت عائشہؓ اہل بیت سے ہجرت حبشہ تک کی  
 صورت حال کو ان دو جملوں میں ادا فرماتی ہیں کہ جب سے مجھے عقل آئی تو میں نے لہنے والدین  
 کو اسلام پر پایا اور یہ دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام ہمارے گھر تشریف

یہ اس حدیث کا ابتدائی حصہ ہے جو ام المومنین نے ان جملوں میں اپنا مشاہدہ بیان فرمایا ہے کہ جب سے مجھے عقل و ہوش آیا تو میں نے یہ صورت حال دیکھی اور لہنے عقل و ہوش کا وہ دوسرا حصہ جسے ام المومنین صاحب کا دور فرما رہی ہیں۔ وہ، وہ دور ہے کہ جس کے باعث سابقین اولین ہجرت حبشہ پر مجبور ہوئے۔ اور پھر اس میں لہنے والد ابو بکر کی ہجرت حبشہ کی پوری کیفیت اور اس کا انہام بیان کیا ہے۔

اس حدیث کا تیسرا حصہ جو ہم نے پیش نہیں کیا ہے ہجرت مدینہ پر مشتمل ہے۔ اور جب آپ ابو بکر کے گھر سے ہجرت فرما کر باہر نکل آئے تو ام المومنین کا انداز بیان قطعاً تبدیل ہو گیا۔ کسی حصے کے سلسلے میں فرماتی ہیں کہ یہ حصہ مجھ سے عامر بن فہیرہ نے بیان کیا جو ابو بکر کے غلام ہیں اور ہجرت میں شریک کار ہیں۔ سراقہ کے واقعے کا ذکر آیا تو فرماتی ہیں مجھ سے سراقہ نے بیان کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بعثت نبوی سے ہجرت مدینہ تک کی جو کیفیت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے وہ ام المومنین اپنا مشاہدہ بیان کر رہی ہیں۔ یعنی جس وقت سے ام المومنین کو عقل آئی تو اس وقت سے ابو بکر اور ام رومان صاحب اسلام تھے اور جب سے ہوش سنبھلا تھا تب سے یہ دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روز آمد صبح و ظہام ان کے گھر تشریف لاتے وغیرہ وغیرہ۔

اس حدیث میں برطانیہ دعویٰ فرما رہی ہیں کہ بعثت نبوی کے وقت میں صاحب عقل و ہوش تھی اور یہ جو کچھ پیش آتا رہا میری نظروں کے سامنے ہوتا رہا۔ لیکن ہمارے علماء یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ ہشام کی روایت سے ثابت ہے کہ رخصتی کے وقت آپ کی عمر نو سال تھی۔ لہذا یہ واقعات ام المومنین نے کسی سے سن لئے ہوں گے۔ مرزا غالب نے کیا خوب کہا تھا

بہا کہتے ہو کچھ کہتے ہو پھر کہو کہ ہاں کیوں ہو

ام المومنین فرماتی ہیں کہ جب سے مجھے عقل آئی میں نے یہ صورت حال دیکھی۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ اس وقت تک وہ پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔ تو مختصر بات یہ ہے کہ ام المومنین کی کرامت ہے کہ انہوں نے اپنی تخلیق سے پانچ چھ سال قبل کے حالات مشاہدہ کرنے امام بخاری اس پر ایمان بھی لے آئے بلکہ اسے پیش کر دیا پھر بھی لوگ کہتے ہیں ہم بخاری کی روایت کا انکار کرنے ہیں۔ آپ ہی حضرات فیصلہ فرمائیں کہ بخاری کی روایت کا انکار کون کر رہا ہے؟ یہ فیصلہ ہم لہنے قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

اس تمام گفتگو سے یہ امر ثابت ہوا کہ بعثت نبوی کے وقت ام المومنین حضرت عائشہؓ ایک صاحب عقل اور باہوش بچی تھیں یعنی کم از کم پانچ چھ سال کی، یعنی اتنی عمر کی بچی کہ یاد رکھ سکیں ہمارے گھر کون آ جا رہا ہے اور والدین لڑکے کے برعکس کیا کر رہے ہیں اور یہ بچے کا وہ دور ہوتا ہے جس میں بچہ کو ہر بات کو سمجھنے اور کرید لگانے کی تمنا پیدا ہوتی ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اور ویسا کیوں ہوتا ہے۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ ام المومنینؓ بعثت کے وقت پانچ چھ سال کی ضرور تھیں۔ لہذا اس حساب سے رخصت کے وقت ان کی عمر انیس بیس بنتی ہے اور ام المومنینؓ اور حضرت فاطمہؓ ہم عمر ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا اب یہ علماء پر موقوف ہے کہ خواہ ہشام کی روایت کو تسلیم کرتے ہوئے بخاری کی ان دو حدیثوں کو تاویل نامی خراہ کی مشین پر چڑھائیں یا انھیں قبول کرتے ہوئے ہشام کی غلطی کو تسلیم کریں۔

## نویں دلیل

حضرت عائشہ صدیقہ رضی جہنا کا بیان ہے کہ اسامہ دروازے کی چوکھٹ پر سے پھسل گئے اور ان کے چہرے پر زخم آ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اسامہ سے گندگی دور کر دو، مجھے گھن آئی اسامہ تو خون کو چاٹنے لگے اور اسے اپنے چہرے سے ہٹانے لگے۔ یہ ابن سعد کی روایت ہے لیکن اسی قسم کی ایک روایت ابن ماجہ میں ان الفاظ میں مذکور ہے کہ اسامہ کی ناک پھینے لگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اٹھ کر اسامہ کی ناک صاف کروں مجھے گھن آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اٹھ کر ناک صاف کی۔

ترمذی کی ایک روایت میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کی ناک صاف کرنے کا ارادہ کیا تو ام المومنینؓ نے عرض کی مجھے اجازت دیجئے کہ میں ناک صاف کئے دیجی ہوں۔ آپ نے فرمایا اے عائشہؓ تو اسامہ سے محبت رکھ، کیونکہ میں بھی اسامہ سے محبت رکھتا ہوں۔ (ترمذی، ج: ۲، ص: ۲۳۶)

نیز بیہقی نے شعبی کے واسطے سے ام المومنینؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اٹھو اور اٹھ کر اسامہ کا منہ دھو دو، میں نے عرض کیا میرے کوئی

بچہ نہیں ہوا۔ لہذا میں نہیں جانتی کہ بچوں کے منہ کیسے دھوئے جاتے ہیں۔ آپ اسے پکڑ کر خود اس کا منہ دھو دیں۔ آپ نے اسامہ کو پکڑ کر خود اس کا منہ دھویا۔ اور فرمایا تو نے ہمارے لئے سہولت پیدا کر دی کہ تو لڑکی نہ ہوا اگر تو لڑکی ہوتا تو میں تجھے زیور سے سجانا اور تجھ پر خوب مال خرچ کرتا۔

امام احمد نے بھی کے ذریعے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ اسامہ دروازے کی چوکھٹ سے گر پڑے۔ ان کے ہتھیرے پر چوٹ لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مل مل کر صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ اے اسامہ اگر تو لڑکی ہوتا تو میں تجھے کپڑے اور زیور پہنانا اور تجھ پر خوب مال خرچ کرتا۔

ان روایات پر پھر نظر ڈالئے اور غور کیجئے تو آپ کو صاف محسوس ہو گا کہ حضرت اسامہ بن زید ام المومنین کے سامنے ایک بچہ ہیں جن کے کبھی چوٹ لگتی ہے۔ اور کبھی ناک بننے لگتی ہے کبھی ام المومنین اٹھ کر صاف کرتی ہیں اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام انہما دیتے ہیں۔ کبھی ام المومنین کو گھن آتی ہے اور کبھی ام المومنین یہ کہہ کر عذر کرتی ہیں کہ میرے کوئی بچہ تو نہیں ہوا جو مجھے بچوں کے منہ دھلانے کا تجربہ ہو۔

اول تو یہ بات کہ میرے کوئی بچہ نہیں نو دس سالہ بچی کی زبان سے نکل نہیں سکتی۔ یہ بات ایک اچھی عمر کی وہ عورت ہی کہہ سکتی ہے جو اولاد کی تمنا کر سکتی ہو۔

دوئم اس سے یہ امر بھی واضح ہو رہا ہے کہ حضرت اسامہ ام المومنین سے کافی چھوٹے تھے۔ اگر ام المومنین انکی ہم عمر ہوتیں یا ان سے چھوٹی ہوتیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ام المومنین کو خون اور ناک صاف کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ کیونکہ اس قسم کا حکم ہمیشہ ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جو اس بچہ سے ہر صورت میں بڑا ہو۔ کبھی ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ ایک دس سالہ بچہ کی خدمت پر ایک آٹھ سالہ بچہ کو مامور کر دیا جائے اور جو ایسا کرے وہ خود دنیا کے سامنے مضحکہ بن جائے گا۔

ہمارے علماء فرماتے ہیں جیسا کہ ہشام کی روایت میں آ رہا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ام المومنین کی عمر اٹھارہ سال تھی، لہذا یہ جاننا ضروری ہے کہ آپ کی وفات کے وقت اسامہ کی عمر کیا تھی؟

امام ذہبی نے "میر اعلام النبلاء" میں تحریر کیا ہے کہ اسامہ کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی۔ گویا یہ ایک تاریخی عجوبہ تھا کہ ایک لڑکی اپنے ہم عمر لڑکے کی ناک صاف کر رہی ہے۔ اور

۲۳  
ولی الدین الخطیب مصنف مشکوٰۃ اپنی کتاب الاکمال فی اسماء الرجال میں لکھتے ہیں۔

قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو ابن عشرين۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۸۵)  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو اسامہ کی عمر بیس سال تھی۔

یہ بھی محدثین و مورخین کے یہاں مسلمہ امر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں جو لشکر روم کے مقابلہ کے لئے ترتیب دیا تھا۔ اور جسے آپ نے شام پر حملہ کے لئے مامور فرمایا تھا تاکہ غزوہ موتہ کا انتقام لیا جائے اس لشکر کے سپہ سالار اسامہ تھے اور حضرت عمرؓ جیسے اشخاص ان کی ماتحتی میں دیئے گئے تھے۔ اس وقت ان کی عمر بقول ولی الدین الخطیب بیس سال اور بقول حافظ ابن کثیر انیس سال تھی۔

توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و عمر لا تسع عشرًا سنة  
البدایة والنهاية ج ۸ : ص ۶۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو اسامہ کی عمر انیس سال تھی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بیعت کے بعد سب سے پہلا کلمہ بھی انہماں دیا تھا کہ اس لشکر اسامہ کو روانہ فرمایا جو اللہ کے فضل سے کامیاب لوٹ کر آیا تھا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت اسامہ سن ۳ ہجری میں پیدا ہوئے اور یہ واقعہ کہ گھر کی دلیز سے گر کر زخمی ہو جائیں یا ان کی ناک بہہ رہی ہو یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا چہرہ دھلائیں یا ام المومنینؓ کو حکم دینا کہ اس کا منہ دھلا دو یا چہرہ صاف کر دو وغیرہ۔ اس قسم کے تمام واقعات حضرت اسامہ کے بچپن کے ہوں گے اور ام المومنینؓ کو یہ حکم اسی وقت دیا جاسکتا ہے کہ ام المومنینؓ کی عمر اسامہ سے زیادہ ہو۔ اور جب اسامہ ام المومنینؓ سے چھوٹے ہوئے اور ان کی عمر وفات رسول کے وقت انیس بیس سال ہوئی تو ام المومنینؓ ان سے کم از کم پانچ سال بڑی ہوں گی۔ تاکہ خون اور ناک صاف کرنے کے احکامات درست ثابت ہو سکیں

## دسویں دلیل

ام المومنینؓ غزوہ بدر میں شریک تھیں

امام مسلم نے اپنی صحیح میں عروۃ بن الزبیر کے واسطے سے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے



وہ فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی جانب کوچ کیا جب آپ حرۃ الغریہ پہنچے تو ایک شخص آپ کے پاس آیا جس کی جمرات و بہادری مشہور تھی، صحابہ کرام اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ جب وہ قریب آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں اور آپ کے ساتھ میں بھی یہ تکلیف برداشت کروں۔ آپ نے فرمایا کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ واپس لوٹ جاؤ۔ میں کسی مشرک سے مدد کا طالب نہیں بنتا۔

ام المؤمنین فرماتی ہیں وہ شخص چلا گیا۔ لیکن جب ہم شجرہ پہنچے تو وہی شخص پھر واپس آیا۔ آپ نے اس سے پھر وہی سوال فرمایا کہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں آپ نے فرمایا میں کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کرتا لہذا وہ شخص واپس چلا گیا۔

ام المؤمنین فرماتی ہیں جب ہم مقام بیداء پر پہنچے تو وہی شخص پھر لوٹ کر آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر سوال کیا کہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس نے جواب دیا ہاں آپ نے فرمایا اچھا تو چلو۔ صحیح مسلم ج ۲: صفحہ ۱۱۸

ہمارے شارحین حدیث نے اگرچہ اس حدیث کی یہ تاویلات فرمائی ہے کہ ہو سکتا ہے ام المؤمنین کی ہم سے مراد صحابہ کرام ہوں اور خود اس ہم کی فہمیر میں داخل نہ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ام المؤمنین بیداء تک حضور کو رخصت کرنے گئی ہوں۔ لیکن سچی بات یہ ہے تاویلات پر حصے کے بعد ہمارا ہاضمہ خراب ہو گیا۔ اور کئی ڈکٹریں آنے لگی ہیں۔

ہم تو اہم مسلم کی اس حدیث سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ غزوہ بدر میں شریک تھیں اور حورتوں میں وہ تنہا ہستی ہیں جو بدر یہ ہیں اور جن مورخین اور سیرت نگاروں نے یہ تحریر کیا ہے کہ ام المؤمنین کی رخصت حوال سن ۲ ہجری میں واقع ہوئی یا تو جنت الحقا کے باسی ہیں یا ان کا ذہن سہائیت کے ذریعہ ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ام المؤمنین کی رخصت حوال سن ۱ ہجری میں ہوئی۔ اور مسلم کی یہ حدیث اپنی جگہ درست ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ام المؤمنین جب غزوہ بدر میں شریک تھیں اور انکی رخصت سن ۱ ہجری میں واقع ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی زوجیت میں پورے دس سال گزارے۔ مورخین نے جو نو سال کی مدت بیان کی ہے یا ہشام کی روایت میں

جو نو سال کی مدت بیان کی گئی ہے وہ غلط ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں صحابہ کے وظائف مقرر فرمائے تو بدرین کے وظائف غیر بدرین سے زیادہ مستحقین فرمائے۔ اور ازواج مطہرات کے جو وظائف مستحقین ہونے تو ام المومنین حضرت عائشہؓ کا وظیفہ ان سب سے زیادہ مستحقین کیا گیا۔ ہمارے مورخین عام طور پر یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ام المومنین کا وظیفہ اس لئے زیادہ مستحقین کیا گیا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ تھیں ہو سکتا ہے کہ یہ وجہ بھی ہو لیکن ہمارے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ غزوہ بدر میں شریک تھیں اور یہ شرف کسی اور زوجہ کو حاصل نہ تھا۔ بلکہ روئے زمین کی کسی عورت کو یہ فخر حاصل نہیں۔

اللہ تعالیٰ امام مسلم پر رحمتیں نازل فرمائے کہ اتنی اعلیٰ سند سے یہ روایت پیش کی کہ کوئی مخرب کار کسی راوی پر انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔ انھوں نے ایک واقعہ کے ذریعے یہ ثابت فرمادیا کہ ام المومنین بدر میں شریک تھیں اور سن اجمری میں زوجیت رسولؐ میں آئیں اور دس سال تک آپ کی زوجیت میں رہیں اور ہشام کی روایت میں جو زوجیت کے نو سال کا ذکر آ رہا ہے وہ درست نہیں۔

اللہ تعالیٰ امام مسلم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے جنہوں نے یہ واقعہ نقل کر کے عملی طور پر یہ ثابت کر کے دکھا دیا کہ ام المومنین کا کام گڑیاں کھیلنا نہیں تھا بلکہ ان کا محبوب مشغلہ تلواروں کا کھیل تھا بلکہ اسی کے سائے میں ان کی پرورش ہوئی تھی۔ یہی ان کی فطرت تھی کیونکہ تلواروں کے کھیل دیکھنے والی کوئی لڑکی گڑیاں نہیں کھیلا کرتی۔ یہ گڑیاں کھیلنا عجمی مشغلہ ہے عربی مشغلہ نہیں۔ یہ عراقی راوی اپنے علاقہ کی عورتوں کی فطرت کو ام المومنین کے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔ اور غالباً پیش نظر یہ مقصد ہے کہ یہ کہنے کے لئے یہ راہ ہموار ہو جائے کہ جس لڑکی نے گڑیاں کھیل کر اپنا وقت گزارا ہو وہ قرآن و سنت کے مفہوم کو کیا جانے۔

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ام المومنین نو سالہ لڑکی نہ تھیں اگر وہ نو سالہ لڑکی ہوتیں تو ان کا محاذ جنگ پر جانے کا کیا مقصد؟ کیونکہ جو بھی عورت محاذ جنگ پر جاتی ہے اس کے ذمہ جنگی اور فوجی خدمات ہوتیں ہیں جیسا کہ آئندہ سطور میں یہ بات سامنے آئے گی۔

غزوہ بدر کے سلسلہ میں ایک مشہور عام واقعہ یہ ہے کہ اس روز جو علم تیار کیا گیا وہ ام المومنین عائشہؓ کی اوڑھنی سے تیار کیا گیا تھا۔ اگر یہ واقعہ سچ ہے تو یہ اس امر کا مزید ثبوت

ہے کہ ام المومنین کی رخصت سن اجری میں ہو چکی تھی اور وہ غزوہ بدر میں شریک تھیں۔ کیونکہ یہ بات تو بعید از قیاس ہے کہ ایک ایسی لڑکی کی اودھنی لے کر جو ابھی تک رخصت ہو کے نہ آئی ہو آپ میدان جہاد میں پہنچے ہوں یہ تصور بھی محال ہے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ نئی نوبلی دہن کی اودھنی اتار کر آپ اسے بدر کے میدان میں لے گئے ہوں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ آپ مقام ہزار تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رخصت کرنے گئیں اور اپنی اودھنی بھی وہیں چھوڑ آئیں یہ شہرین فرماؤ کا قصہ نہیں۔ بلکہ صورت حال کچھ اس طرح پیش آئی ہوگی کہ اچانک جو جنگ سامنے آئی تو اس کے لئے علم تیار کرنے کا مسئلہ پیدا ہوا ہوگا۔ لشکر گاہ میں شاید کوئی ایسا کپڑا موجود نہ ہوگا جس کا علم تیار ہو سکے تو ام المومنین نے اپنی اودھنی عنایت فرمائی ہو اور خود سر پر رومال باندھ کر فوجی خدمات کے لئے تیار ہوئی ہوں اور عراقی راویوں نے اسے شہرین فرماؤ کے قصہ میں رنگ دیا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اودھنی ہندی زبان کا لفظ ہے عربی زبان میں بالاعدہ کوئی لفظ اس کے لئے نہیں پایا جاتا۔ ام المومنین نے اپنی چادر عنایت فرمائی ہوگی جسے ہمارے اردو مصنفین نے اودھنی میں تبدیل کر دیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مترجمین لال اودھنی کے چکر میں مبتلا ہوں۔

ہاں اتنی بات ضرور ذہن میں رکھیں کہ یہ جھنڈے مقام روجاء میں تیار کئے گئے تھے جو مدینہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ ایک جھنڈا انصار کے لئے تیار ہوا اور دوسرا مہاجرین کے لئے جو حضرت مصعب بن عمیر کو دیا گیا اور واقفی رافضی کا قول ہے کہ حضرت علی کو دیا گیا۔ جسے بعد کے سنی علماء نے جوہر روایت کو لہانا ایک دینی فریضہ تصور کرتے ہیں اس طرح فیصلہ دیا کہ ایک علم حضرت مصعب کو دیا گیا اور ایک حضرت علی کو اور شیعہ مورخین نے حضرت مصعب کا نام خارج کر کے حضرت علی کو علمبردار کی حیثیت سے مشہور کر دیا۔ ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ سزا کرنے

آج ہمارے ہاتھوں میں جو تاریخ ہے وہ مسخ شدہ تاریخ ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں سبائی بچے پہلے ہی کاٹ چکے ہیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں جوڑنا اسی وقت ممکن ہے جب وہ ہمیں صحیح حالت میں کہیں سے دستیاب ہو جائیں۔ بہت سے لوگ تاریخ کی کھدائی میں مشغول ہیں۔ دیکھئے یہ افسوس کہ تک دستیاب ہوتے ہیں۔ اور اگر ظہر بھی ہو جائیں تو اس امر کا کیا ثبوت

کہ وہ مصنوعی اعضاء نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مصنوعی اعضاء یا مصنوعی جسم کی بدولت اس  
فنگڑے لو نے جسم سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں۔

جیسا کہ بغداد میں اس صدی کی ابتداء میں حضرت حذیفہ اور حضرت جابر بن عبد اللہ کی  
لاشیں دستیاب ہو گئیں۔ حالانکہ حضرت جابر تمام مورخین و محدثین کے نزدیک مدینہ منورہ  
میں یقین میں دفن ہیں جو سکتا ہے کہ یہ مصنوعی قبریں اور ان کے کتبے بنو یسویہ کے دور میں تیار  
کئے گئے ہوں یا ان حضرات نے عمرے کے بعد زیر زمین کوئی سرنگ نکالی ہو اور سفر کرتے  
کرتے بغداد پہنچ گئے ہوں جیسے حضرت حسینؑ کی چار صاحبزادیاں لاہور پہنچ گئیں اور آج تک  
نیک بیبیوں کے نام سے ان کے خزارات مشہور ہیں یا حضرت علیؑ بیک وقت نجف اور  
بلوچستان میں کوہ مولا اور دکن کے کوہ مولا میں دفن ہو گئے ہوں۔ دراصل یہ سب باطنی راز  
ہیں اور ہمارے پاس وہ نگاہ نہیں جو پس پردہ کی بات معلوم کر سکے اور ہمارے لئے تو ان  
رازوں کو سمجھنا بھی محال ہے۔ اس لئے کہ سب سے بڑی رکاوٹ علم ہے کیونکہ العالم  
حجاب الاکبر رازوں کو معلوم کرنے کے لئے سب سے بڑا حجاب علم ہے۔ اور اگر ہم  
غزالی و ردی اور جنید و شبلی کی طرح کتابوں کو دریا برد بھی کر دیں تو اصل قصور تو اس سر  
پھری کھوپڑی کا ہے اسے کہاں نے جاتیں گے۔ اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ جہاں دجلہ  
و فرات بھی نہیں جن کی برکات سے ہم کھوپڑی کو دھولیں اور جو کچھ پڑھا ہے وہ سب کچھ جو  
ہو جائے۔ ہمارا ذہن تو یہ کہتا ہے کہ حسن بن صباح نے جنت کے بہانے جو لوگوں کو بھنگ  
پلائی تھی یہ اسی بھنگ کے نتائج تھے کہ ہزاروں کتابیں دریا برد کر دی گئیں اور دماغی پرواز  
باطن کی گہرائیوں تک پہنچ گئی۔ اور اگر ہم بھی ایسا کرتے تو کسی گدی پر بیٹھے لوگوں کی مشکل  
کشائی کرتے اور اگر نہ کر پاتے تو قیامت کے دن لوگوں کا ہاتھ ہوتا اور ہمارا دامن ہوتا۔ لیکن  
افسوس یہ کہ ہم اس کے چکر میں زندگی گنوا بیٹھے کہ روز محشر سب برسبہ انھیں گئے اور سب  
نفسی نفسی پکارتے ہوں گے نہ وہاں کسی کا دامن ہو گا اور نہ گنہاں۔

## گیارہویں دلیل

غزوہ احد ایک ایسا غزوہ ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہو گئے تھے۔  
بخاری کی ایک حدیث کے مطابق آپ کے پاس صرف دو صحابہ رہ گئے تھے۔ سعد بن وقاص اور

طلحہ بن عبید اللہ، کچھ لوگ انفراتفری میں مبتلا ہو کر دل چھوڑ بیٹھے تھے، کچھ لوگ تنہا معروف پہلا تھے اور انہیں ایک دوسرے کی کوئی خبر نہ تھی، کچھ لوگ اپنی جانیں بچانے کے لئے پہاڑ پر چڑھ گئے تھے اور پورے لشکر میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے۔

اس روز حضرت ابو طلحہ انصاری جو حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع فرما رہے تھے۔ بار بار عرض کرتے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ اپنی جگہ سے نہ اٹھیں کہیں آپ کے کوئی تیر نہ لگ جائے۔

یہ حیات نبوی میں وہ واحد جنگ ہے جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ستر صحابہ نے جام شہادت نوش کیا۔ اور شاید ہی کوئی فرد ایسا ہو گا جو زخموں سے چور نہ ہوا ہو۔ اس غزوہ میں چند عورتیں بھی شریک تھیں۔

اس سے قبل کہ ہم اس پر تبصرہ کریں کہ اس غزوہ میں کون کون سی عورتیں شریک تھیں۔ اور ان کی کیا کیا ذمہ داریاں تھیں، یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض آمدہ خطرات سے واقف تھے۔ اسی لئے آپ نے چودہ سالہ لڑکوں کو اس غزوہ میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔ ان کم عمریوں میں حضرت سمرقہ بن جندب، حضرت براء بن عازب، حضرت انس بن مالک، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمر شامل ہیں بلکہ ابن عمر تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ مجھے غزوہ احد میں شامل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس وقت میری عمر چودہ سال تھی اور سب سے پہلا غزوہ جس میں، میں شریک ہوا وہ غزوہ خندق ہے۔ لہذا جنگ میں شرکت کی حد کم از کم پندرہ سال ہے۔ بلکہ بعض ائمہ فقہاء نے ابن عمر کی اسی روایت کے باعث بلوغ کی حد کم از کم پندرہ سال بیان کی ہے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں شرکت کیلئے کم از کم پندرہ سال رکھی تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی کم عمر لڑکی کو غزوہ میں شرکت کی اجازت دیا جائے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ جنگ میں جو عورتیں شریک ہوتیں ان کی متعدد ذمہ داریاں ہوتیں۔ زخموں کو میدان جنگ سے اٹھانا۔ ان کا علاج صحابہ، زخموں اور مجاہدین کو پانی پلانا بلکہ بوقت ضرورت انہیں اسلحہ پہنائی کرنا۔ ظاہر ہے کہ میدان جنگ میں یہ امور انہما دینا بہر عورت کے بس کا کام نہیں کہا کہ اس سلسلہ میں نو دس سالہ بچیوں سے کام لیا جائے۔

۳-  
 عورت اتنے اہم کام اسی وقت انہما دے سکتی ہے جب وہ کچھ نہ کچھ فنون حرب سے  
 بھی واقفیت رکھتی ہو۔ اور ضرورت پڑنے پر لہنا و دفاع کر سکتی ہو۔ بلکہ استادل بھی رکھتی ہو  
 کہ ضرورت پڑنے پر میدان کارزار میں اترنے کے لئے تیار ہو۔

ہم جب ان امور پر غور کرتے ہیں تو ہمارا ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ کام  
 کسی کس شخص کے سپرد نہیں کئے جاسکتے۔ اور جب کہ چودہ سالہ بچوں کو بھی اس میں شرکت کی  
 اجازت نہیں دی گئی۔ لہذا اس جنگ میں جو عورتیں شریک ہوئی ہوں گی وہ جوان العمر اور  
 تجربہ کار ہوں گی اور تمام اونچ نیچ کو اچھی طرح سمجھتی ہوں گی۔

ام عمارہؓ: اس غزوہ میں جو عورتیں شریک تھیں ان میں ام عمارہؓ تھیں جو نبی کریم صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی مدافعت میں شریک تھیں۔ ان کے جسم پر اس روز تیرہ زخم آئے۔ ان کی مرہم پٹی  
 خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لپٹنے آپ کھڑے ہو کر کرائی۔

انہوں نے ابن قریہ کا مقابلہ کیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مارا  
 تھا۔ یہ اس پر لاشمی کا وار کر رہی تھیں اور وہ ان پر تلوار سے حملہ کر رہا تھا۔ حتیٰ کہ ایک وار  
 سے وہ نیچے گر گیا۔ اور اس کا سر کھل گیا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے گئے۔

انہوں نے مسیلہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں بھی حصہ لیا۔ اور باقاعدہ جنگ کی  
 جس میں ان کے بارہ زخم آئے۔ حتیٰ کہ ان کے ہاتھ اس جنگ میں بے کار ہو گئے۔  
 جو عورتیں باقاعدہ جنگ میں شریک نہیں ہوتیں وہ بھی مسلح ہوتیں۔

ام سلیمؓ: ابن سعد نے نقل کیا ہے احد کے روز ام سلیمؓ کے پاس خنجر موجود تھا۔  
 حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حسین کی جنگ میں ام سلیمؓ ایک خنجر لائے ہوئے تھیں۔  
 ابو طلحہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ام سلیمؓ ہیں اور ان کے پاس خنجر  
 موجود ہے۔ ام سلیمؓ نے سنا تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ خنجر لپٹنے پاس  
 اس لئے رکھتی ہوں کہ اگر کوئی کافر مسلحے قریب آئے تو میں اسکا پیشہ بھاڑ دوں۔ (طبقات ابن  
 سعد ج ۸: ص ۴۲۵)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ کسی غزوہ میں شرکت کسی بچی کا کام  
 نہیں اور پھر حضرت ام سلیمؓ جو حضرت انسؓ کی والدہ ہیں ایک سخت عمر کی تجربہ کار عورت ہیں۔  
 اور اکثر غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئیں۔

۲۱  
 ام المومنین حضرت عائشہؓ - ہم سطور بالا میں ثابت کر چکے ہیں کہ  
 ام المومنین حضرت عائشہؓ غزوہ بدر میں ایک عورت کی حیثیت سے شریک تھیں - اور جنگ احد  
 میں بھی حضرت ام سلیم کے ساتھ مصروف کار تھیں -

حضرت انس فرماتے ہیں میں نے عائشہؓ بنت ابی بکر اور ام سلیمؓ کو دیکھا - وہ دونوں  
 پانچ چڑھائے تھیں اور مجھے ان کی پٹلیوں کے چمکے حصے نظر آ رہے تھے - یہ دونوں مشکیں اوپر  
 اٹھائے ہوئے تھیں اور مہلدین کو پانی پلاتیں - پھر جا کر انھیں بھر کر لاتیں اور مہلدین کو پانی  
 پلاتیں - (بخاری ج ۱ صفحہ نمبر ۴۰۳)

یہ پانی پلانے کا عمل میدان جنگ میں جاری تھا - ظاہر ہے یہ عمل ایک مسلح اور تجربہ  
 کار عورت کا تو ہو سکتا ہے لیکن ایک دس سالہ کسب اور نا تجربہ کار بچی کا نہیں ہو سکتا - اس  
 کے لئے مشک اٹھانا بھی دشوار عمل ہے - کجا کہ ام سلیمؓ جیسی تجربہ کار عورت کے ساتھ برابر کا  
 شریک ہونا خود اس امر کا ثبوت ہے کہ ام المومنینؓ ہرگز اس وقت کم عمر نہ تھیں - اور جب کہ  
 یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس جنگ میں چودہ سالہ لڑکوں کو بھی شرکت کی اجازت  
 نہیں دی گئی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ام المومنینؓ دس سال کی عمر میں اس کام پر مامور کی جاتیں  
 اور اگر انھوں نے یہ خدمت بلا اجازت رسول انہام دی بھی تو اس پر کیوں خاموشی اختیار کی  
 گئی اور اگر تنبیہ کی گئی تو ہر دو امور کے ثبوت درکار ہیں - ۱۔ قارئین کرام یہ تمام گفتگو حدیث  
 کے نقطہ نگاہ سے تھی اب کچھ تاریخی گفتگو بھی ہو جائے جس سے ان تمام مباحث کی تائید ہوتی ہے

## بارہویں دلیل

تمام محدثین اور مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اپنی بڑی  
 بہن اسماءؓ سے دس سال چھوٹی تھیں - اور حضرت اسماءؓ کا انتقال ۶۳ھ میں سو سال کی عمر میں ہوا  
 اس لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں تو حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت مدینہ کے وقت حضرت  
 اسماءؓ کی عمر ستائیس یا اٹھائیس سال تھی - ستائیس میں سے جب دس خارج کئے جاتے ہیں تو ہم  
 المومنینؓ کی عمر ہجرت کے وقت سترہ اٹھارہ سال بنتی ہے - اور رخصتی کے وقت اگر وہ ۱۷ھ میں  
 ہوئی تو انیس سال اور ۱۸ھ میں ہوئی تو بیس سال بنتی ہے -

۳۲  
ولی اللہ بن الخلیب اپنی "الاکمال فی اسماء الرجال" میں رقمطراز ہیں۔

وہی ام عبد اللہ بن الزبیر اسلمت بمکتہ قدیما قبل اسلمت  
بعد سبعتہ عشر انسانا وہی اکبر من اختہا بعشر سنین وماقت  
بعد قتل انبہا بعشرۃ ایام و قیل بعشرین یوماً بعد ما انزل  
انبہا من الخشبہ ولعاماتہ سنۃ ذالک منتہ ثلاث و سبعین  
بمکتہ. (مشکوٰۃ ص ۵۵۶)

اسماءؓ عبد اللہ بن الزبیر کی والدہ ہیں مکہ میں اجماع میں ہی اسلام لائیں۔ کہا جاتا ہے کہ سترہ افراد  
کے بعد اسلام لائیں۔ وہ اپنی بہن عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔ اور اپنے بیٹے کے قتل کے  
دس دن بعد وفات پائی۔ ایک قول یہ ہے کہ بیس دن بعد جب ابن الزبیر مہالیسی سے اتار دئے  
گئے۔ ان کی عمر سو سال ہوئی اور یہ وقوعہ مکہ ۶۳ء میں پیش آیا۔  
حافظ بن عمر "تقرب الخشب" میں لکھتے ہیں۔

عاشت ماتتہ سنۃ وماقت منتہ ثلاث و سبعین اواربع و  
سبعین (تقرب الخشب ص ۵۶۵)  
اسمہ سو سال زندہ رہیں ۶۳ء یا ۶۴ء میں انتقال ہوا۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی مشہور کتاب "البدایہ والنہایہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔ اسماءؓ کی  
بہن عائشہؓ ہیں، ان کے والد ابو بکر صدیقؓ، ان کے والد ابو قحافہؓ، ان کے بیٹے عبد اللہ اور ان کے  
خوہر زبیر ہیں۔ اور یہ سب کے سب افراد صحابی ہیں۔

حضرت اسماءؓ اپنے بیٹے عبد اللہ اور اپنے شوہر کے ساتھ معرکہ یرموک میں شریک تھیں  
یہ اپنی بہن عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔

اسی سال یعنی ۶۳ء میں جیسا کہ ہم نے پہلے تحریر کیا ہے انہیں اپنے بیٹے عبد اللہ بن  
زبیر کے قتل کا سانحہ دیکھنا پڑا۔ اس واقعہ کے پانچ دن بعد، بقول بعض دس دن بعد بقول  
بعض کچھ اوپر بیس دن بعد اور بقول بعض سو دن بعد حضرت اسماءؓ نے وفات پائی اور یہی  
مشہور ہے، وفات کے وقت ان کی عمر سو سال تھی، نہ ان کا کوئی دانت ٹوٹا تھا نہ ان کی عقل  
میں کچھ نقص پیدا ہوا تھا۔ البدایہ والنہایہ ج ۵: ص ۳۳۶

یہی کچھ حافظ ذہبی نے اپنی کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں تحریر کیا وہ فرماتے ہیں۔



”اسماء بنت ابی بکر حضرت عائشہ سے دس سال کچھ اوپر بڑی تھیں“ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۰۸  
عبدالرحمن بن ابی الزناد کا بیان ہے کہ اسماء عائشہ سے دس سال بڑی تھیں۔ عروہ کا  
بیان ہے کہ اسماء کا انتقال سو سال کی عمر میں ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۱۳)

حافظ ذہبی، حافظ ابن کثیر اور ولی اللہ بن الخطیب کا شمار محدثین میں ہوتا ہے۔ یہ  
حضرات صرف سورخ نہیں بلکہ محدث اور مہر رجال ہیں۔ یہ حضرات ام المومنین حضرت عائشہؓ  
اور ان کی بہن اسماءؓ کی عمروں میں دس سال کا تفاوت بیان فرما رہے ہیں۔ اور اس حساب سے  
ام المومنین کی عمر قتل کے وقت سولہ سال اور رخصتی کے وقت انیس سال بنتی ہے۔ جو اس  
امر کا مزید ثبوت ہے کہ ہشام کی روایت میں ان سے دہائی کا عدد چھوٹ گیا ہے اور غلطی سے  
صرف اکتالی نقل ہو گئی۔ اور انیس کا نو بن گیا۔ اب اگر ہشام و ابی رولت ہی پر ایمان لانا ہے  
اور ام المومنین کو جب تک نو سال کا ثابت نہ کیا جائے تو ہمارے علماء کا کھانا ہنسم نہیں ہوتا  
تو اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ کی عمر گھٹا کر دس سال کم کر دی جائے۔ لیکن یہ  
کہنے سے کام ہرگز نہ چلے گا کہ ہم تاریخ کو نہیں ملتے اس لئے ہم نے مورخین کے بھائے محدثین  
کے حوالے پیش کئے ہیں۔ اور اسی لئے ہم نے ابجد میں تاریخ کی کوئی روایت پیش نہیں کی تھی  
دل مدینہ کیونکہ یہ جلتے تھے کہ ہشام پر عراق کی آپ دہوا ارا انداز ہو گئی ہے۔ لہذا انہوں نے  
اس خلاف عقل روایت کو نقل ہی نہیں کیا۔

## تیرھویں دلیل

مورخ محمد بن جریر طبری حضرت ابو بکر کے حالات میں رقم طراز ہیں:  
ابو بکر نے زمانہ جاہلیت میں دو نکاح کئے۔ ایک قلیہ سے جن کے بطن سے عبداللہ اور  
اسماء پیدا ہوئے اور دوسرا نکاح ام رومان سے کیا جن کے بطن سے عائشہ اور عبدالرحمن پیدا  
ہوئے۔ پھر کہتے ہیں۔

فہو لاء الاربعۃ من اولاد لاولد ومن زوجیہ التیین سمیتھا  
فی الجامیۃ

تاریخ طبری ج ۲ ص ۵۰

یہ چاروں اولادیں ان دو بیویوں سے پیدا ہوئی ہیں جن کے نام ذکر کئے گئے ہیں، یہ تمام اولاد

زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئیں۔

اس پر خور فرماتے کہ فرقہ سہابیہ حضرت عائشہؓ کی عمر پیش کر کے ہم المومنینؓ کا مذاق اڑاتے ہیں اور مورخ طبری خود خالص شیعہ ہے۔ لیکن وہ اس کا اقرار کر رہا ہے کہ ہم المومنینؓ زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئیں اور یہ بات تو غالباً ہر مسلمان جانتا ہے کہ بعثت رسول سے قبل کا زمانہ دور جاہلیت کہلاتا ہے۔ اب اگر ہم المومنینؓ بعثت سے چند ماہ قبل بھی پیدا ہوئی ہوں تو رخصتی کے وقت ان کی عمر پندرہ سال بنتی ہے۔ اور ہم نے سطور بالا میں یہ ثابت کیا ہے کہ ہم المومنینؓ بعثت سے کم از کم پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ اس لحاظ سے اتنا تو یقینی ہے کہ ہم المومنینؓ انیس سال کی عمر میں رخصت ہوئیں۔ ہاں یہ امکان ضرور ہے کہ ان کی عمر اس سے کچھ زیادہ ہو اس سے کم کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

ہمارا نظریہ یہ ہے کہ یہ تمام کھیل کو فیوں کی لہاد ہے۔ کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ نبوت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں اور نکاح کے وقت ان کی عمر نو سال تھی حتیٰ کہ تحفۃ العوام میں جو ان کی اردو زبان میں فقہ کی کتاب ہے یہ تحریر ہے کہ جب لڑکی کی بیونو سال ہو جائے تو اس کی شادی کر دی جائے۔ لہذا کو فیوں نے اپنی اس فریب کاری پر پردہ ڈالنے کے لئے دوسروں کو نگو بنانے کی کوشش کی اور ہم المومنینؓ کی عمر کا ہوا کھڑا کر دیا۔ اور اس ہونے کی اطاعت سنی حضرات نے دل کھول کر کی اور ان کو یہ جواب نہ دے سکے کہ تم حضرت فاطمہؓ کی عمر خود نو سال ملتے ہو۔ لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ سنی حضرات نے یہ فیصلہ دے دیا تھا کہ یہ بات غلط ہے اور حضرت فاطمہؓ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔

اگر حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ کی عمروں کے درمیان جو دس سالہ تفاوت ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے تو بعثت نبوی کے وقت حضرت اسماءؓ کی عمر چودہ سال بنتی ہے۔ اس لحاظ سے ہم المومنینؓ کو بعثت سے چار سال قبل پیدا ہونا چاہئے۔ گویا ہم المومنینؓ اور حضرت فاطمہؓ تقریباً ہم عمر ہوئیں۔ اور ہر دو کی عمروں میں دس سال کا تفاوت پیدا کیا گیا اور اس قسم کے کارنامے اہل کوفہ ہی انہماں دے سکتے ہیں۔

## چند عموں دلیل

مورخ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں

کا تذکرہ "السابقون الاولون" کے عنوان سے کیا ہے۔ ہم المومنین حضرت خدیجہ سے ابتداء کرتے ہوئے مردوں و عورتوں اور بچوں کا تذکرہ ترتیب وار ایک فہرست میں پیش کیا ہے لکھتے ہیں۔

حضرت خدیجہ کے بعد ابو بکر صدیق کی دعوت پر عثمان ابن عفان، زبیر بن العوام، عبدالرحمن بن حوف، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ (بشمول زید و علی اور ابو بکر) یہ آٹھ آدمیوں کی جماعت ہے جو ابو بکر کے ہاتھ پر اسلام لائی اور جنہوں نے اسلام کی جانب سبقت کی۔ پھر ابو عبیدہ بن الجراح اسلام لائے اور ابو سلمہ بن عبدالاسد اور ار قثم بن ابی الارقم (انہی کے مکان میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ سے چھپے ہوئے تھے) آپ لوگوں کو خفیہ اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ ان کا مکان صفاہبہاڑی پر واقع تھا۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کی تعداد حضرت عمر کے اسلام پر چالیس ہو گئی۔

جب مسلمان پورے چالیس ہو گئے تو یہ لوگ باہر نکل آئے اور عثمان بن مظعون اور ان کے بھائی قدامہ اور عبد اللہ اور عبیدہ بن الحارث اور سعید بن زید اور ان کی بیوی فاطمہ یعنی عمر بن الخطاب کی بہن اور اسماء بنت ابی بکر اور عائشہ بنت ابی بکر (وہ ان دنوں چھوٹی تھیں) اور خباب بن الارت۔ (ابن ہشام ج ۱/ ص ۶۵)

ابن ہشام کی تصریح کے مطابق یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "السابقون الاولون" میں حضرت خدیجہ کو شامل کرنے کے بعد حضرت اسماء کا نمبر انیسواں اور ہم المومنین کا نمبر بیسواں ہے یعنی ہم المومنین حضرت عائشہ حضرت عمر کے اسلام لانے سے کافی قبل سن انبوت میں مشرف باسلام ہو چکی تھیں۔ یعنی اگر ہشام کی روایت کو قبول کر لیا جائے تو ہم المومنین اپنی تخلیق سے چار سال قبل مشرف باسلام ہو چکی تھیں۔ قربان جائے اس کرامت کے اتنی بڑی کرامت تو بڑے بڑے پیر صاحبان بھی نہ دکھاسکے۔ آج تک ہم مادر زاد و بی اور مادر زاد امام کی کہانیاں تو پڑھتے آئے لیکن مادر زاد بیعت رسول کا یہ فسانہ اپنا شاہکار آپ ہے۔

حافظ ابن کثیر رقم طراز ہیں۔

ابن اسحاق نے ترتیب وار ان صحابہ کے نام گنائے ہیں جو ابتداء میں اسلام لائے پھر مشرورہ کے لو افراد گنانے کے بعد ابن اسحاق کہتے ہیں پھر ابو عبیدہ اسلام لائے پھر ابو سلمہ اور ار قثم بن ابی الارقم اور عثمان بن مظعون اور عبیدہ بن الحارث اور سعید بن زید اور ان کی بیوی فاطمہ بنت الخطاب اور اسماء بنت ابی بکر اور عائشہ بنت ابی بکر ایمان لائیں اور یہ اس وقت کم عمر

اس جگہ ابن اسحاق نے حضرت عثمان بن مظعون کے دونوں بھائیوں قدامہ اور عبد اللہ کا ذکر چھوڑ دیا ہے جو حضرت اسماء اور حضرت عائشہ کا نمبر سترواں اور اٹھارواں بن گیا اور اگر دونوں کے نام داخل کر لئے جائیں تو ہم المومنین کا نمبر وہی بیسواں آتا ہے۔

بعض یہی تفصیل محدث سہیلی نے اپنے مشہور کتاب الردض الانف میں دی ہے۔ اس تمام تفصیل سے یہ امر تو واضح ہو گیا کہ ہم المومنین سابقین اولین میں داخل ہیں اور نبوت کے پہلے سال ایمان لائیں۔ اگرچہ وہ اس وقت کم عمر تھیں لیکن اتنی عمر تو یقیناً ہوگی کہ وہ اسلام اور ایمان کے مفہوم کو سمجھ سکیں۔ لازماً وہ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں اور اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی۔

حیات سید العرب کا مصنف سابقین اسلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ سب سے اول ورقہ بن نوفل ایمان لائے۔ اس کی تالیف حافظہ بلقیسی اور حافظہ عراقی نے کی ہے۔ ابن مندہ ابن حجر، طبری، بخاری، ابن قانع، اور ابن السکین وغیرہ نے ورقہ کا شمار صحابہ میں کیا ہے۔ ورقہ کے بعد سب سے اول حضرت خدیجہ ہیں۔ ان کے بعد مردوں میں ابو بکر، پھر حضرت علی، موالی میں زید بن حارثہ۔ پھر ام ایمن۔ پھر رومان زوجہ ابو بکر، پھر ام حیرہ والدہ ابی بکر پھر اسماء بنت ابی بکر۔ اور یہ مورخین میں مسلمہ امیہ کے حضرت عائشہ اور حضرت اسماء ساتھ ایمان لائیں۔ اس طرح ہم المومنین کا نمبر دسواں بنتا ہے۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ سب سے اول جو عورت ایمان لائیں وہ حضرت خدیجہ ہیں۔ ان کے بعد ہم الغضلی ہیں جو حضرت عباس کی زوجہ تھیں۔ پھر اسماء بنت ابی بکر اور عائشہ ہیں۔ اور پھر خولہ بنت اہلبکر۔

لیکن انیسویں وہ حضرات جو بطنام کی روایت کا شکار ہوئے انہوں نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس وقت تک تو ہم المومنین پیدا بھی نہیں ہوئیں تھیں اور سب سے زیادہ حیرت تو شبلی مرحوم پر ہے جنہوں نے سیرت النبویہ ج ۱ میں سابقین اولین کی فہرست میں ابو بکر کے خاندان کے کسی فرد کا ذکر نہیں کیا اور اس طرح انہوں نے ہم رومان، ہم ام حیرہ، اسماء اور عائشہ کے نام اس فہرست سے خارج کر دیئے۔ اور نہ صرف یہ تاریخی کارنامہ انہماں دیا بلکہ حضرت خدیجہ کے علاوہ کسی عورت کا نام لینا گوارا نہیں کیا۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی صاحبزادیوں کا بھی ذکر نہیں کیا۔ لیکن وہ حضرت علی کو قطعاً بھول سکے۔

حکیم عبدالرؤف دانا پوری نے چونکہ اپنی "اصح السیر" شبلی کی "سیرت النبی" کے جواب میں تحریر کی ہے۔ لہذا انہوں نے سابقین اسلام کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے۔ اس فہرست میں سوٹھویں نمبر پر حضرت اسماء اور سترھویں پر ام المومنین حضرت عائشہ کا ذکر کیا ہے۔۔۔۔۔ لیکن کیونکہ ہشام کی روایت ان کے ذہن سے چمکی ہوئی تھی اس لئے نیچے حاشیے میں تحریر فرمایا۔

صحیحین کی روایت یہ ہے کہ ان سے حضور نے عقد کیا تو چھ برس کی تھیں اور ایک روایت ہے سات برس کی اور جب زفاف ہوا تو نو برس کی تھیں۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ زفاف شوال میں ہجرت کے پہلے سال ہوا۔

ان کی پیدائش بخت کے چار یا پانچ برس بعد ہوئی۔ باوجود اس کے ان کا شمار قدم الاسلام لوگوں میں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ گویا شروع ہی سے مسلمان تھیں۔ (اصح السیر ص ۶۳)

حکیم صاحب کو اس امر کا ظالم ہو رہا ہے کہ ام المومنین کو قدم الاسلام لوگوں میں کیسے شمار کر لیا گیا وہ تو اس وقت موجود بھی نہ تھیں، اسلئے کہ صحیحین کی روایت (ہشام) کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کے چار پانچ سال بعد پیدا ہوئیں۔ گویا کہ ام المومنین خانہ زاد مسلمان تھیں اور غالباً یہی سوچ کر حکیم صاحب نے حضور کی صاحبزادیوں حضرت زینب اور حضرت رقیہ کے ایمان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ گویا آج تک جو بھی بہکا ہے وہ امی ہشام والی روایت کے باعث بہکا ہے۔ جس پر ہم ابتدائے مضمون میں بحث کر چکے ہیں۔ یہ روایت اس طرح دماخوں پر پھلائی کہ تمام روایات اور تمام احادیث اس کے مقابلے میں نظر انداز کر دی گئی۔ ہشام کا تو آخری عمر عرق میں آکر دماغ خراب ہوا تھا لیکن اس نے اوروں کا جو کئی میں ایسا دماغ خراب کیا کہ انہیں اس کے سوا پوری کتب احادیث اور تاریخ میں کچھ نظر نہ آیا اور جس طرح طوطا خطرے کے وقت آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنی عافیت ہی میں تصور کی کہ آنکھیں بند کرنی جائیں۔

## پندرھویں دلیل

مورخین کا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ ام المومنین کا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے نکاح ہوا اس سے قبل ام المومنین کا رشتہ جبیر بن مطعم بن عدی سے پاک ہو چکا تھا۔  
ابن سعد نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
عائشہؓ کیلئے ابو بکرؓ کو پیغام دیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول میں مطعم بن عدی بن نوفل کو اس  
کے بیٹے جبیر کے لئے زبان دے چکا ہوں۔ آپ مجھے اتنی اجازت دیجئے کہ میں کسی طرح اس سے  
چھٹا چھڑا لوں۔ ابو بکرؓ نے مطعم اور اس کے بیٹے سے چھٹا چھڑا لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم سے ان کا نکاح فرمایا۔

ابن سعد نے ایک اور روایت عبد اللہ بن نمیر کے واسطے سے عبد اللہ بن ابی بلتک سے  
ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ النی ابی بکر  
الصدیق فقال یا رسول اللہ انی کنت اعطيتها لمطعم بن عدی  
لا بنفد غنی حتی اسلھا منھم فطلقھا فتزو جھار رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ صفحہ ۵۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہؓ کیلئے ابو بکرؓ کو پیغام دیا۔ ابو بکرؓ نے عرض کیا یا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عائشہ کو مطعم بن عدی کے بیٹے کے لئے دے چکا ہوں مجھے اتنی  
مہلت دیجئے کہ میں اس سے چھٹکارا پا لوں۔ جبیر نے انھیں طلاق دیدی۔ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔

ہم نے یہ عربی عبارت اس لئے پیش کی ہے تاکہ ہر ایک اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لے  
کہ اس رشتہ کی بات مطعم بن عدی سے ہوئی تھی اور اس نے اپنے بیٹے جبیر بن مطعم بن عدی کے  
لئے ام المومنین کو مانگا تھا۔

لیکن اللہ بھلا کرے شبلی کا کہ انہوں نے نامعلوم کس رو میں یہ لکھ مارا۔ آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں۔ (سیرت النبی ج:  
جلد ۲۰۵)

حالانکہ حضرت عائشہؓ جبیر سے منسوب تھیں۔ ان کے بیٹے سے منسوب نہیں تھیں۔ اس  
وقت تک جبیر کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے علامہ شبلی سے غلطی واقع ہوئی ہو پھر یہ  
غلطی بعد کے مصنفین کے لئے مایہ ناز بن گئی۔

سید سلیمان ندوی مرحوم اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:-

لیکن اس سے پہلے عائشہ جبر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب تھیں۔ اس لئے اس سے پوچھنا بھی ضروری تھا۔ سیرت عائشہ صفحہ ۱۵  
نیاز فتح پوری صاحب لکھتے ہیں:-

حضرت عائشہؓ اس وقت تک جبر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے جبر سے پوچھا۔ (صحایات صفحہ نمبر ۳۶)

مولانا سعید اکبر آبادی مرحوم موجودہ دور کے ایک بہت بڑے محقق تھے رقم طراز ہیں

وہ بولے "میں جبر بن مطعم کو زبان دے چکا ہوں" لیکن جب جبر بن مطعم سے اس معاملہ میں بات چیت کی گئی تو اس نے انکار کر دیا۔ (سیرت الصدیق صفحہ نمبر ۱۶)

آپ حضرات نے دیکھا کہ ان تمام حضرات نے یہ تو تسلیم کیا کہ ام المؤمنینؓ کی بات پہلے ہو چکی تھی۔ لیکن ان تمام حضرات کو خود یہ علم نہیں کہ یہ بات کس سے پکی ہوئی تھی۔ بلکہ انہوں نے شبلی کا بیان دیکھ کر مکھی پر مکھی ماری ہے اور بھائے جبر کے اس کے ایک ایسے فرضی بیٹے سے منسوب کر دیا جو تا حال وجود میں بھی نہ آیا تھا۔ اور کسی نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ ابن سعد اٹھا کر دیکھ لیں۔ ان کی غرض کتاب لکھتے سے تھی۔ اور جب انھیں سیرت نبویؐ سے مواد دستیاب ہو گیا تو کیا ضرورت تھی کہ وہ بلاوجہ دماغ سوزی کرتے۔ یہی وہ نکتہ ہے کہ ہر پہلے گزرنے والے شخص کو محصوم مان لو اور اس کے بارے میں یہ تصور بھی نہ کرو کہ اس سے غلطی ہو سکتی ہے۔ مردہ پرست قوم اس کے علاوہ سوچ بھی کیا سکتی ہے ہم اگر اس قسم کی غلطیوں کو پکڑنا شروع کریں تو ایک نئی ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔ میرے خیال میں اس کا نام "اظلاط المصنفین" موزوں رہے گا۔

مورخ محمد بن جریر طبری نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے اور لکھا ہے

جب ابو بکر صدیق کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آگئے اور انہوں نے سن ۵ ہجرت میں حبشہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا تو انہوں نے سوچا کہ جانے سے قبل اپنی بیٹی عائشہ کو سسرال کے حوالے کر جائیں اور بعد میں حبشہ کی جانب ہجرت کریں۔

لہذا ابو بکر مطعم کے پاس گئے۔ اس کی بیوی بھی وہاں موجود تھی مطعم نے اپنے بیٹے جبر کے لئے عائشہؓ کو مانگا تھا۔ جب ابو بکرؓ نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو مطعم کی بیوی نے ابو بکرؓ سے

کہا۔ اگر ہم اپنے بیٹے کی شادی تمہاری بیٹی سے کر دیں تو تم اسے بھی بے دین بنا لو گے (یعنی مسلمان) اور جس مذہب کو تم نے اختیار کیا ہے اس میں میرے بیٹے جبر کو بھی شامل کر لو گے۔ ابو بکر نے مطعم کی جانب متوجہ ہو کر کہا کہ یہ تمہاری بیوی کیا کہہ رہی ہے (یعنی کس طرح رشتہ سے انکار کر رہی ہے) مطعم نے جواب دیا بات تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہمیں تم سے اور تمہاری بیٹی سے یہی اندیشہ ہے۔ یہ سن کر ابو بکر وہاں سے چلے آئے۔ (طبری ج ۱ ص ۴۹۳)

طبری کی اس روایت سے متعدد امور سامنے آئے

- ۱ یہ رشتہ جبر سے ہوا تھا نہ کہ جبر کے بیٹے سے
- ۲ حضرت ابو بکر نے جب ہجرت حبشہ کا ارادہ کیا تو ام المومنینؓ یا تو جوان ہو چکیں تھیں یا قریب البلوغ تھیں۔ جب ہی حضرت ابو بکر کو ہجرت حبشہ سے قبل بیٹی کی فکر دامن گیر ہوئی۔ ہشام کی روایت کی رو سے تو اولاد ام المومنینؓ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی ہوں گی اور اگر پیدا ہو بھی گئیں تھیں تو دو چار ماہ کی ہوں گی۔ تو یہ ہشام ام المومنینؓ کو دو چار ماہ کی عمر میں رخصت کرنا چاہتے تھے؟

فیاللعجب آیا اس قسم کا کوئی حادثہ پیش آیا تھا کہ اسے ابو بکر اگر تیرے اب کوئی لڑکی ہوئی تو وہ میری بہو بنے گی۔

۳ اس سے یہ امر بھی ثابت ہوا کہ ابو بکر کی طرح ان کی بیٹی عائشہؓ بھی تبلیغ اسلام میں مشہور ہو گئیں تھیں تب ہی تو مطعم کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ ابو بکر کی بیٹی اس کے بیٹے کو گمراہ (مباہی) کر دے گی۔ لہذا ایسے رشتہ سے دور ہی اچھے۔ تو اس سے خود بخود یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۵ بنوت میں ان کی اتنی عمر ہو گئی تھی کہ وہ کافی نگہداری کی عمر کو پہنچ چکی تھیں اور تبلیغ دین کر سکتی تھیں۔

۴ اور یہ بھی دنیا کا ایک ایک فرد جانتا ہے کہ کسی باپ کو بیٹی کی فکر اس وقت ہوتی ہے جب وہ جوان ہو جائے تو لازماً اس وقت ام المومنینؓ کی عمر اس منزل پر پہنچ گئی ہوگی کہ حضرت ابو بکر کو ان کی فکر لاحق ہوئی۔ ہم جب اس لحاظ سے سوچتے ہیں تو ہماری سوچ ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ ام المومنینؓ کی عمر اس وقت کم از کم پندرہ سال تو ضرور ہوگی۔ اس لحاظ سے جب اس حساب کو لے کر آگے بڑھتے ہیں تو رخصتی کے وقت ان کی عمر ۲۵ سال بنتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ عمریں کم کرنے کا ایک اعلیٰ ریکارڈ ہے۔



## سولھویں دلیل

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ام المومنین عائشہؓ اور ام المومنین سوڈہ کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ترغیب خولہ بنت حکیم نے دی تھی جو حضرت عثمان بن مظعون کی زوجہ تھیں اور حضرت عثمان بن مظعون آپ کے رفیق بھائی تھے اس لحاظ سے یہ خولہ آپ کی بھانج ہوئی تھیں۔ خولہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نکاح کیوں نہیں فرمالتے۔ یہ بات خولہ نے اس وقت فرمائی جب ام المومنین حضرت عبدجہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس سے نکاح کروں۔ خولہ نے جواب دیا خواہ کنواری سے اور خواہ بیوہ سے۔ آپ نے فرمایا کنواری کون ہے اور بیوہ کون ہے؟

خولہ نے جواب دیا کہ آپ کو جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عزیز ہے کنواری اس کی بیٹی عائشہؓ ہے اور بیوہ سوڈہ بنت زمرہ ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا تم دونوں جگہ میرا تذکرہ کر کے دیکھو۔

یہ واقعہ ایک طویل تفصیل کے ساتھ حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے اور اس واقعہ کو بیہقی اور مسند احمد کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ مسند احمد اور بیہقی تاریخ کی کتابیں نہیں بلکہ حدیث کی کتابیں ہیں۔ اور ابن کثیر نے ان کی روایات پر کوئی جرح بھی نہیں کی۔ اس لحاظ سے یہ دلیل مورخانہ نہیں مہمانہ ہے۔

عربی زبان میں نابالغ لڑکی کیلئے جارسیہ اور اس لڑکی کیلئے جو بالغ ہو بکر کا لفظ بولتے ہیں۔ جیسے ہماری اردو زبان میں کنواری کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہ لفظ آٹھ نو سالہ بچی پر نہیں بولا جاتا بلکہ بالغ لڑکی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

البکر تسناذن فی نفسھا واذنھا صماتھا (مسلم)

باکرہ سے اس کے نکاح کے سلسلے میں اجازت لی جائے اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔

اور اسی لئے عربی زبان میں لفظ بکرثیب کے مقابلے میں آتا ہے اور ثیب اس لڑکی کو کہتے ہیں جس کی جھلے شادی ہو چکی ہو۔ پھر خواہ اس کا خاوند مر گیا ہو یا اس نے طلاق دے دی ہو جس کے لئے ہم اردو زبان میں لفظ عورت استعمال کرتے ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو کسی کنواری لڑکی کو عورت کہہ کر تماشا دیکھ لیجئے اسی لئے اس حدیث کا دوسرا جملہ ہے۔

اور شیب ولی سے زیادہ اپنی جان کی حقدار ہے۔

یہ لفظ بکر کے مقابلہ میں بولا گیا ہے۔ مسند احمد اور بیہقی کی اس روایت میں بھی خوٹہ نے عرض کیا بکر او شیباً بکرہ بھی ہے اور شیب بھی ہے۔

یہ لفظ بکر (کنواری) اس امر کا ثبوت ہے کہ جب خوٹہ بنت حکیم نے اس کا تذکرہ کیا تو عائشہؓ بالغہ اور جوان تھیں۔ ورنہ اگر وہ چھ سال کی بچی ہوتیں تو خوٹہ یہ الفاظ کہتیں جارہے۔ و شیباً (ایک کم عمر لڑکی اور ایک عورت موجود ہے) اتنا بڑا صریح جھوٹ نہ ہوتیں۔ وہ عجی نہ تھیں جو عربی سے ناواقف ہوں۔ لہذا ان سے جملہ میں غلطی واقع ہو گئی ہو اس کا بھی امکان نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام ابو بکر کے گھر تشریف لے جاتے جیسا کہ سابقہ صفحات میں بخاری کے حوالے سے ذکر ہو چکا ہے۔ ایسی صورت میں کیا حضورؐ کو اس امر کا بھی احساس نہ ہو سکا کہ خوٹہ جسے کنواری لڑکی بنا رہی ہیں وہ تو ایک چھ سالہ بچی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ فرمانا چاہئے تھا کہ اے بھابی (خوٹہ) آپ کا دامنی تو اذن بھی درست ہے یا نہیں۔ آپ میرے سلمنے ایک ایسی بچی کو کنواری بنا کر پیش کر رہی ہیں جسے میں صبح و شام دیکھتا ہوں اور ظاہر ہے ایسی کوئی بات پیش نہیں آتی۔ بلکہ جب خوٹہ نے ابو بکر کو پیغام دیا تو ابو بکر نے جواب دیا میں تو عائشہؓ کے لئے مطعم کو زبان دے چکا ہوں۔ اچھا مجھے اتنی مہلت دو کہ میں اس معاملہ کو خوش اسلوبی سے نمٹا دوں حالانکہ ابو بکر کو یہ عذر پیش کرنا چاہئے تھا کہ وہ تو ابھی بچی ہے۔ کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔

یہ تمام امور اس بات کا ثبوت ہیں کہ حضرت عائشہؓ اس وقت بچی نہ تھیں۔ ورنہ ابو بکر اور خوٹہ بنت حکم دونوں کو احق تسلیم کرنا ہوگا۔ اور نبی کریم کی ذات اقدس پر جو رکیک حملہ ہو گا وہ جداگانہ۔

لہذا خوٹہ نے آپ کے سلمنے جو بیان فرمایا تھا کہ ایک کنواری موجود ہے۔ وہ صحیح فرمایا تھا۔ اس پر نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتراض ہوا نہ ابو بکر کو۔ اگر یہ نکل اس وقت ہوا ہوتا جب ام المومنینؓ کی عمر چھ سال تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا امتداد اذایا جاتا جتنا دس گیارہ سال میں بھی نہ اڑایا گیا ہو۔ کیونکہ مشرکین کو ایک بہت عمدہ حیلہ ہاتھ آجاتا۔ اور ہم ہرگز بھی یہ تصور نہیں کر سکتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ صحیحہ معاملہ فہم اشخاص اس قسم کی غلطی کا ارتکاب کرتے اور خود کو لوگوں کی زبانوں اور نگاہوں کا نشانہ بناتے۔

ہم بھی جھٹے اس کے قائل تھے کہ ام المومنین کی رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی۔ اور ہم بھی ایک زمانہ تک اسی سوچ کے حافی رہے کہ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ لیکن جب ہم نے عالی الذہن ہو کر کتب احادیث و تاریخ اور رجال کا مطالعہ کیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہم اب تک بیٹڈک کی طرح کنویں میں چھلانگیں مار رہے تھے۔ لیکن اب ہم اس منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ ہمارے لئے دجلہ و فرات اور طلیح فارس بھی بچ ہیں۔ اب دعا صرف یہ ہے کہ ہمارے علماء بھی اس کنویں سے باہر نکل آئیں اور دیکھیں کہ یہاں پاکستان میں کتنے دریا بہ رہے ہیں

### مترحوں دلیل حضرت عائشہؓ کی رخصتی

ابن سعد نے طبقات میں عمرہ بنت عبدالرحمن سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ام المومنین سے دریافت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کب رخصت کیا۔ انہوں نے جواب دیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مجھے اور اپنی لڑکیوں کو مکہ میں پیچھے چھوڑ گئے۔ مدینہ آنے کے بعد آپ نے ہمیں لینے کے لئے زید بن حارثہ کو روانہ فرمایا اور ان کے ساتھ اپنے غلام ابورافعؓ کو روانہ فرمایا اور انہیں دو اونٹ اور پانچ سو درہم دئے۔ یہ درہم آپ نے ابو بکر سے لئے تھے۔ اور یہ درہم زید بن حارثہ کو اس لئے دئے گئے تھے تاکہ وہ دونوں اس سے ضرورت کا سامان اور مزید سواری خرید سکیں۔

ابو بکر نے ان دونوں کے ساتھ عبداللہ بن اریقیطہ دہلی کو دو یا تین اونٹ دے کر بھیجا اور اپنے بیٹے عبداللہ کو لکھا کہ ان کے کنبے کو سوار کرا دے۔ یعنی میری ماں ام رومانؓ اور اسماءؓ (زبیر کی بیوی) ہم سب ساتھ نکلے۔ جب ہم قدید پہنچے تو زید بن حارثہ نے پانچ سو درہم سے تین اونٹ خریدے اور ہم نے لکھے سفر شروع کیا۔ راہ میں طلحہ بن عبید اللہ طے وہ بھی ہجرت کے ارادے سے نکلے تھے اور ابو بکر کے گھر والوں کے ساتھ سفر کرنا چاہتے تھے (غالباً ہم خاندان ہونے کے باعث)

زید بن حارثہ، ابورافعؓ، فاطمہؓ، ام کلثومؓ، اور سودہ بن زمرہ کو نے کر چلے۔ نیز زید بن حارثہ نے اپنی بیوی ام ایمنؓ اور اپنے بیٹے اسماءؓ کو ساتھ لیا۔ اور عبداللہ بن ابی بکرؓ ام رومانؓ اور اپنی دونوں بہنوں کو نے کر چلے اور طلحہؓ بھی ہمارے ساتھ شریک ہونے۔ جب ہم بیٹس کے

مقام پر پہنچے جو مئی کے قریب ہے میرا اونٹ بدک کر دوڑ پڑا۔ اور میں محض میں تھی۔ میری ماں چلانے لگی ہائے میری بیٹی۔ ہائے میری دہن۔ یہاں تک کہ لوگوں نے ہمارے اونٹ کو پالیا۔ اور وہ ٹیلے سے نیچے اتر آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا۔

جب ہم مدینہ پہنچے تو میں ابو بکر کے کلبے کے ساتھ اتری۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عائدان مسجد کے گھروں میں اترنا۔ اور آپ اس وقت مسجد اور اس کے گرد حجرے بنوا رہے تھے۔ پس ہم کچھ دن ابو بکر کے گھر رہے۔

پھر ابو بکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آخر آپ کو کس بات کی رکاوٹ ہے جو آپ اپنی بیوی کو رخصت نہیں کراتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مہر کی رکاوٹ ہے۔ تو ابو بکر نے آپ کو بارہ اوقیہ اور کچھ نش عنایت فرمائے (یعنی پانچ سو درہم اور کچھ اور پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بطور مہر ہمارے پاس روانہ کر دیے۔ تو میری رخصتی اس گھر میں ہوئی جس میں، میں اب ہوں۔ یہی وہ گھر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں دروازہ بنا لیا تھا جو میرے دروازے کے سامنے تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سودہ کو بھی مسجد کے گھروں میں سے ایک گھر میں رخصت کیا جو میرے گھر کے ہلو میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس رہتے تھے۔ طبقات ابن سعد ج ۸ / ص ۶۸

اگرچہ اس روایت کا راوی واقفی کذاب ہے۔ لیکن ادلیٰ تو یہ ضروری نہیں کہ جسے ہم جھوٹا کہیں وہ ہر بات ہی جھوٹ بولتا ہو۔ کوئی نہ کوئی بات تو وہ بھی سچ کہتا ہوگا۔ اور پھر بعض شیخ الحدیث صاحبان نے شبلی کے رد کے شوق میں اسے ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے تو اس کی یہ روایت اس لئے نقل کی ہے کہ ہم نے اوپر حوالیات پیش کئے ہیں ان سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے۔ کم از کم ایک جھوٹے کے منہ سے یہ بات تو سچی نکلی!

ہمارا مقصود تو بس اتنا ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد اگر ہم المؤمنین صرف آٹھ نو سال کی ہوتیں تو ابو بکر کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ کہتے کہ آپ اپنی بیوی کو رخصت کر لیجئے یعنی آخر میں کب تک بیٹی کو گھر پر بٹھانے رکھوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز یہ جواب نہ دیتے کہ مہر کی رکاوٹ ہے بلکہ فرماتے جلدی کیا ہے وہ ہنوز سچی ہے۔ لیکن اس کے برعکس آپ نے یہ جواب دیا کہ مہر کی کمی ہے۔ اور ابو بکر بھی نہ چاہتے تھے کہ جو ان بیٹی گھر بیٹھی رہے لہذا مہر کی رقم بھی خود ہی بیچ دی اور پھر آپ نے ہم المؤمنین کو رخصت کرایا۔ جس سے یہ

۴۵  
ثابت ہوا کہ واقعاً ہجر کے علاوہ کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

## اشھادوں کی دلیل

ابن عباس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارعاد نقل کیا ہے۔

الایم احق بنفسہامن ولہما والبکر تستاذن فی نفسہما واذنہما  
صامتہا۔ (مسلم ج ۱/ ص ۳۵۵)

عورت ولی سے زیادہ اپنی جان کی حقدار ہے۔ اور کنواری سے اس کے منکھ میں اجازت لی  
جانے لگی۔ اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔

بلکہ بعض روایات میں تو یہ الفاظ ہیں۔

والبکر تستامر۔ ایضاً

اور کنواری سے حکم طلب کیا جائے۔

اور اللہ پر یہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

لا تکفح الا یم حتی تستامر ولا تکفح البکر حتی تستاذن  
(مسلم ج ۱/ ص ۳۵۵)

عورت کی اس کے حکم کے بغیر نکاح کی جائے اور کنواری کے بغیر اجازت کے۔

ابن ماجہ کی روایت سے نکاح میں کنواری لڑکی کی رضا شرط ہے۔ اور اگر لڑکی نابالغ ہو  
تو اس کی رضا کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ نکاح کے مقصد سے ہی واقف نہیں  
ہوتی۔ اس لئے فقہاء نے اس مسئلہ کا حل یہ نکالا کہ کم عمر لڑکی کا نکاح اس کا ولی بھی کر سکتا ہے  
اور اس کے جواز کے لئے ان حضرات فقہاء نے ہجرت کی اس کہانی کو بطور دلیل پیش کیا۔ اور  
اس مسئلہ میں اس روایت ہجرت کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں۔ اور جب یہ روایت ہی غلط  
ہے تو اس کی بنیاد پر جو نکاح منکرہ کی عمارت رکھی گئی ہے وہ بھی غلط ہے۔

## انہیوں کی دلیل

کتب احادیث و تاریخ سے ثابت ہے کہ ہجرت میں جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو جہاں

کی آب و ہوا انہیں راس نہ آئی۔ اکثر صحابہ بیمار ہو گئے اور ابو بکر صدیق بھی سخت بیمار میں مبتلا

ہو گئے۔ ام المومنین عائشہؓ نے اپنے والد کی تیمارداری فرمائی۔ (طبقات ابن سعد ج ۳: ص ۴۳) معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کی آب و ہوا کافی دن تک مہاجرین کو اس نے آسکی۔ بار بار بیمار پڑتے حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔

اللهم حبب الينا المدينة كما حبب مكة واشد وصححها و  
بارك لنا في صاعها ومدها وحول جماها الى الجحفة  
(مسلم ج ۱: ص ۴۴۳) (بخاری ج ۲: ص ۸۴۲)

اے اللہ ہمارے لئے مدینہ ایسا محبوب فرما جسے مکہ ہمیں محبوب تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کی آب و ہوا درست فرما۔ اے اللہ ہمارے لئے مدینے کے صاع اور مد میں برکت فرما۔ اور اس کا بخار حجاز کی جانب منتقل فرما۔

یہ روایت بھی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے جو ہشام نے اپنے باپ عروہ کے واسطے سے نقل کی ہے۔ اور ہشام کی ایک اور روایت جو امام مالک نے ہشام سے نقل کی ہے۔ اور جو بخاری ج ۲: ص ۸۴۸ پر بیان کی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مدینہ بیماریوں اور وباؤں کا گھر تھا۔ عام طور سے لوگ بخار میں مبتلا رہتے تھے۔ مہاجرین بھی بخار میں مبتلا ہوتے۔ حضرت ابو بکرؓ ان کے غلام عامر بن فہیرہ اور بلالؓ ایک گھر میں علیحدہ بیمار پڑے تھے۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نے کر ان کی عیادت کے لئے گئی۔ اس وقت تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ شدت بخار سے یہ لوگ غفلت میں مبتلا تھے۔ میں ابو بکرؓ کے پاس گئی اور ان سے دریافت کیا ابا کیا حال ہے انہوں نے جواب دیا۔

کل امری مصبح فی املہ والموت ادنی من شراک نعلہ  
ہر آدمی اپنے اہل میں وقت گزارتا ہے اور موت اس کے جوتے کے تیسے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میرے والد کو کچھ خیر نہ تھی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں (گویا بخار دماغ کو چرھا ہوا تھا) میں ان کے بعد عامر کے پاس گئی۔ ان سے پوچھا عامر کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا۔

لقد وجدت الموت فروقه ان الجبان حنقه من نوقه  
کل امری مجامد بطوقه کثوب یحسی جلد لا بروقه

میں نے موت سے قبل ہی موت کا مزا چکھ لیا ہے۔ کیونکہ بزدل ناک کے بل مرتا ہے ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرتا ہے جیسے کپڑا انسان کی جلد کو اس کی چمک سے بھاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میرا خیال ہے کہ انہیں بھی کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بلالؓ کی عادت تھی کہ جب بخار آتا تو وہ گھر کے صحن میں لیٹ جاتے اور زور زور سے چلایا کرتے۔ اس وقت وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے

اللائت شعری هل ابتین لیلة بواد و حولی اذخرو جلیل  
و هل اردن یومامیلا مجنة و هل بیدون لی شامة و طفیل  
کاش مجھے معلوم ہو کہ میں ایک رات گزاروں گا، اس وادی میں کہ میرے چاروں طرف اذخر گھاس اور جلیل ہوں گے۔ اور کیا میں اتروں گا مجھ کے پانیوں پر اور کیا ظاہر ہوں گے میرے سامنے شامہ اور طفیل۔

بخاری کی اس روایت میں عامر بن فہیرہ کا کوئی حال نہ تھا لیکن امام احمد نے اپنی مسند میں عبد اللہ بن عروہ کے حوالے سے عامر کا یہ حال نقل کیا ہے۔

اب ان ہر دو روایات پر غور کیجئے اور سوچئے کہ گھر میں ام رومان، اسماءؓ موجود ہیں۔ تیمارداری کی ذمہ داری ام المومنینؓ تھا رہی ہیں۔ کیا اتنی اہم ذمہ داری ایک آٹھ سالہ بچی کے سپرد کی جاسکتی ہے جبکہ گھر میں بڑی عورتیں موجود ہیں۔ یہ تیمارداری اسی وقت ممکن ہے کہ جب ام المومنینؓ خود جوان ہوں اور ذمہ داریوں کا انہیں پورا احساس ہو۔ ورنہ آٹھ نو سال کی عمر میں تیمارداری کی خدمات انجام دینا جیسا کہ ابن سعد کی روایات میں آرہا ہے بالکل خلاف عقل ہے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد، عامر بن فہیرہ اور بلالؓ کی تمام صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مع اشعار کے بیان کی اور کہا:

انهم یحذون و ما یقلون من شدۃ الحمی۔

لوگ بہک رہے ہیں۔ انہیں تو بخار کی شدت کے باعث عقل بھی نہیں۔

ابھی تمام واقعہ سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ ام المومنینؓ اہ میں اپنے گھر کی ہو چکیں تھیں۔ گھر سے اجازت لے کر تیمارداری کے لئے گئیں۔ پھر واپسی پر تمام اشعار ہو ہو نقل کئے اور بیان کیا کہ یہ اشعار بخار کی شدت میں پڑھ رہے ہیں انہیں تو اپنا ہوش بھی نہیں۔

ان تمام باتوں کو بگھنا ایک نو سالہ بچی کا کام نہیں ہے۔ یہ ہنر عمری کی باتیں ہیں۔ اور یہ اشعار اور ان کو یاد رکھنا اور انہیں نقل کرنا اسی وقت ممکن ہے جب ام المومنین نے ایک عمر ایسے ماحول میں گزاری ہو۔ حالانکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ان کی رخصت نو سال کی عمر میں ہوئی اور ۵ نبوت کے بعد وہ پیدا ہوئیں تو اس وقت تک تو گھر کا ماحول بدل چکا تھا۔ اب وہاں شعر و شاعری کے سہلے قرآن پڑھا جاتا۔ آخر یہ ماحول انہیں کہاں اور کس وقت میرا آیا؟ اور اس کا آسان جواب بھی ہے کہ وہ نبوت سے قبل پیدا ہو چکی تھیں۔ اور دیگر دلیل مکہ کی طرح ادب میں ان کا ذہن صاف ہو چکا تھا۔ یہ بات ہم آگے بھی پیش کریں گے۔

## بیسیوں دلیل

### ادب بالاسب او و تاسخ میں مہارت

دل اللہ بن الخشب صنف مشکوٰۃ قریر کرتے ہیں۔

وكانت فتيحة عانتها وصحتها فاضلتها كثيرة الحديث عن  
رسول الله صلى الله عليه وسلم عارفته بليلام العرب و  
اشعارها

(مشکوٰۃ ص ۶۱۲)

حضرت مکتبہ، قطیبہ، عالم، فضوی اور فاضلہ تھیں۔ بکثرت احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتیں۔ زمانہ جاہلیت کی جنگوں اور ان کے اشعار کی بہت ماہر تھیں۔

ام المومنین کے مکتبے عروہ کا بیان ہے کہ میں نے قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ، شعر و شاعری، طب، تاریخ عرب اور النسب میں حضرت علقمہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

البدایہ والنہایہ ج ۸: ص ۹۲

علاء بن ابی رباح کہتے ہیں ام المومنین سب سے زیادہ قطیبہ، سب سے زیادہ عالم اور

سب سے اونچی فکر رکھتی تھیں۔ البدایہ والنہایہ ج ۸: ص ۹۲

حضرت ابو موسیٰ اشعری کا بیان ہے کہ جب ہم صحابہ کو کسی حدیث میں دشواری پیش

آتی تو ہم یہ مشکل ام المومنین کے سامنے پیش کرتے اور ہمیں اس مشکل کا آسان حل ان کے پاس

ملتا۔ ترمذی، البدایہ والنہایہ



ابو الزناد کا بیان ہے کہ میں نے شعرو ہامری میں عردہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے عردہ سے دریافت کیا کہ آپ کو شعرو ہامری میں یہ کمال کیسے حاصل ہوا تو انہوں نے جواب دیا اپنی عالیہ عائشہ سے سیکھا۔ کوئی بھی واقعہ پیش آتا ہم المومنین اس بارے میں فوراً شعر پڑھ دیتیں۔

موسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے کہ میں نے ہم المومنین سے زیادہ فصیح ابیان کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا۔ عردہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار ہم المومنین سے عرض کیا اے عالیہ مجھے آپ کے فیض ہونے پر تعجب نہیں۔ اس لئے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ ہیں اور ابو بکرؓ کی بیٹی ہیں مجھے اس پر بھی حیرت نہیں کہ آپ اشعار کی حافظہ اور تاریخ میں کامل ہیں کیونکہ آپ ابو بکرؓ کی بیٹی ہیں اور وہ اعلم الناس تھے۔ مگر مجھے آپ کے علم طب پر تعجب ہے کہ آپ نے یہ فن کہاں سے سیکھا؟

ہم المومنین نے عردہ کے کاندھے پر ہاتھ مارا اے عردہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر میں بیمار رہتے اور ہر طرف سے آپ کے پاس وفود آتے رہتے تو وہ آپ کے لئے نسخے بتاتے اور میں ان نسخوں سے آپکا علاج کیا کرتی تھی۔

عربی ادب، شعرو ہامری، انساب، اور تاریخ عرب میں کمال حاصل کرنے کیلئے عمر کا ایک طویل اور ایسا حصہ درکار ہے جس میں سیکھنے والا ایسی باتوں کو سمجھ سکے اور یاد رکھ سکے۔ اور ویسے بھی انساب اور تاریخ عرب خشک مضمون ہے۔

کیونکہ بصری روایت کی رو سے ابھی وہ آٹھ سال کی بچی تھیں کہ ہجرت کا وقوہ پیش آگیا۔ ابو بکرؓ اپنے ہاں بچوں کو چھوڑ کر مدینہ تگئے، جب کئی ماہ بعد ہاں بچوں کو مدینہ بلایا تو چند روز بعد حضرت عائشہ کی رخصتی عمل میں آگئی۔ اور گویا اس طرح لہنے والہ سے استفادہ کا موقعہ ہی نہ ملا۔

مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشقہ کی زندگی سے بالکل مختلف تھے۔ جہاں قرآن، صوم و صلوة کے مسائل اور ملکی بہتات پیش نظر رہتیں۔ جہاں کا ماحول یہی تھا۔ اس ماحول کا انساب، تاریخ شعرو ہامری سے کوئی دور کا واسطہ نہ تھا۔ حضرت عائشہ کو شعر لہی اور انطباق اشعار کا کمال ذوق اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ایک طویل وقت شعرو ہامری یا بیت بازی میں نہ گزارا جائے۔ عرب شعراء کا بہترین کام انہیں پلا تھا جو موقع عمل کے لحاظ سے فوراً زبان پر آجاتا۔ نثر کا بھی بہترین حصہ آپ کو ادا ہوتا تھا۔ ہم درود کی حدیث جو مسلم میں موجود ہے ان کے ادب کا شاہکار ہے۔

لہذا یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ ام المومنینؓ نکاح سے قبل عاقلہ اور بالغہ تھیں۔ انہوں نے یہ تمام فنون لہنے والد سے حاصل کئے۔ اور جس وقت آپ مدینہ آئیں اور آپ کی رخصتی عمل میں آئی تو آپ پختہ عمر کی عورت تھیں۔ اور اپنی غیر معمولی قوت حافظہ اور قوت فہم کے سبب انساب عرب، ذوق شعر و شاعری اور تاریخ میں کمال حاصل کر چکی تھیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جو تادوست فرما رہے تھے۔ اور میں دیکھ رہی تھی۔ آپ کی نظر جو مجھ پر پڑی تو سوال فرمایا کیا بات ہے بڑے غور سے دیکھ رہی ہو میں نے عرض کیا ابو بکر الہندی کے اشعار آپ پر صادق آتے دیکھ رہی ہوں وہ خود زندہ ہوتا تو لہنے اشعار کا مصداق آپ سے زیادہ کسی کو نہ پاتا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ وہ کون سے اشعار ہیں۔

ام المومنینؓ نے عرض کیا۔

ومبراً من کل غیر صفیتہ وفساد ضعة وداہ ممضل

فان انظرت الی اسوتہ واجہہ برقت کبیرقی العارض المتحلل  
وہ محفوظ ہے ہر نہاست سے اور دودھ پلانے والی کی خرابی سے اور ہر شیلی بیماری سے۔ جب تو دیکھے اس کے چہرے کے خلوط کی طرف تو اس طرح روشن ہونے میں کہ روشن گل چمکتے ہیں۔  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خوشی سے جھوم اٹھے اور فرمایا تمہارے اس بر محل شعر کے منطبق کرنے سے مجھے بہت سرور حاصل ہوا۔ یعنی ام المومنینؓ زاہد خشک نہ تھیں۔ اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زاہد خشک تھے۔

ان کے بھائی عبدالرحمن کا انتقال ہو گیا۔ بے ساختہ زبان سے یہ اشعار نکلے۔  
وکنا کئند ما فی جذیمة حقبة من الدھر حتی قبیل لن یتفرقا  
< فلما تفرقنا کما فی و مالکنا علی طول اجتماع لم یبیت لیلة معاً  
ترجمہ :- ہم دونوں کی ایسی مثال تھی جیسے جنمہ بادشاہ کے دو مصاحبوں کی کہ عرصہ دراز تک ان کے ربط و اتحاد کا یہ حال رہا کہ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان میں کبھی جدائی ممکن ہی نہیں۔  
لیکن جب ہم میں جدائی ہوئی تو باوجود اس کے کہ میں اور مالک طویل عرصے تک یکجا رہے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک رات بھی اکٹھے نہیں رہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شعر و ادب، تاریخ اور انساب سے متعلق ام المومنینؓ کے جو اقوال کتب حدیث، تاریخ اور کتب ادب میں بھرے پڑے ہیں اور جن کے بارے میں مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ لہنے دور کی سب سے بڑی محدث، سب سے بڑی نقیبہ، اور سب

سے بڑی مفسرہ سب سے بڑی ادیبہ، سب سے بڑی خطیبہ، سب سے بڑی مورخہ اور سب سے باہر انساب تھیں، ان کے اس علم و فن پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ پرکاری دکھائی گئی کہ رخصتی کے وقت ان نجی راویوں نے ان کے ہاتھوں میں گزریاں تھمائیں اور کچھ اس طرح تسلسل کے ساتھ تھمائیں کہ وہ ان کی زندگی کا ایک لازمہ بن گئیں۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ایک طلاق میں گزریاں بھی ہوئی تھیں۔ جب کہ انھیں حضور کی زوجیت میں آئے ہوئے نو سال ہو چکے تھے۔ یعنی اہل بیت بننے کے باوجود انھوں نے گزریاں کھیلنے کے علاوہ کوئی کام نہ کیا۔ یہ ہے ایک نجی سازش جو ہشام کے ہاتھوں انہام کو پہنچی۔ حتیٰ کہ ام المومنین کے ہاتھوں میں پردار گھوڑا تھمایا گیا۔ تاکہ آئندہ چل کر ذوالجناح کی تاریخ ہسپاکی جاسکے۔

ملائکہ حقیقت یہ ہے کہ زوجیت رسول میں آنے کے بعد ام المومنین اس منزل پر پہنچیں کہ دنیا کے سامنے فقہی اور محدثانہ اصولوں کی بنیاد رکھ گئیں بلکہ صحابہ کرام نے ان اصولوں کو تسلیم کیا۔

ام المومنین نے یہ فقہی اصول پیش فرمایا کہ جو روایت خلاف قرآن ہو وہ ہرگز قابل قبول نہیں یا اس کی تاویل کی جائے گی یا اس کا رد کیا جائے گا۔  
مثلاً غزوہ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نعشوں کو ایک گڑھے میں ڈالا اور گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا۔

هل وجدتم ما وعد ربكم حقا تم سے تمہارے پروردگار نے جو وعدہ کیا وہ تم نے حق پایا۔؟

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سردوں کو پکارتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا ما انتم باسمع منهم ولكن لا يجيبون تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن یہ جواب نہیں دیتے

یہ سنکر ام المومنین نے ارشاد فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ہرگز نہیں فرمائی تھی۔ بلکہ آپ نے فرمایا تھا۔

انهم ليعلمون الان ماكنت اقول لهم حق۔ انھوں نے اب تیرے بات حق جان لی ہوگی جو میں ان سے کہتا تھا۔

اور آپ ایسی بات فرما بھی نہ سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انك لا تسمع الا لموتى۔ (بخاری ج ۱ صفحہ نمبر ۱۸۳) یقیناً آپ سردوں کو نہیں سکتے

اسی طرح جب حضرت عمر نے اپنی وفات کے وقت یہ حدیث بیان فرمائی۔

ان المیت یعذب ببعض بکاء اہلہ علیہ یقیناً مردے کے رشتہ داروں کے رونے کی وجہ سے مردے کو عذاب دیا جاتا ہے تو حضرت عائشہ نے یہ بات سن کر ارشاد فرمایا:

یرحم اللہ عمر واللہ ما حدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یعذب المؤمن ببکاء اہلہ علیہ ولكن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ لیزیہ الکافر عذاباً ببکاء اہلہ علیہ وقالت جسکم القرآن ولا تقرروا زقوا و زراخری (بخاری ج ۱: ۱۷۲) (مسلم ج ۱: ۳۰۳)

اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان نہیں کی تھی کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اس کے گھر والوں کے رونے کے باعث عذاب دیتا ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کافر کے عذاب میں اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب اضافہ فرماتا ہے۔ اور تمہارے لئے قرآن کافی ہے۔ اور ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔

ایک اور روایت میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمائی ہیں کہ دراصل واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودیہ مر گئی تھی، اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب اشارہ کر کے فرمایا۔

انہم لیبکون علیہا وانہا لتعذب فی قبرہا۔ بخاری ج ۱: ۱۷۲ مسلم ج ۱/۳۰۳

یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں۔ حالانکہ اسے قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔

ان ہر دو واقعات پر ہم المومنین نے جو تبصرہ فرمایا اس سے فقہ اور حدیث کے جو اصول ہمارے سامنے آئے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جب بھی کوئی حدیث خلاف قرآن ہوگی خواہ وہ کتنے اعلیٰ درجہ کی صحیح کیوں نہ ہو تو یا تو اس روایت کا کوئی ایسا مفہوم مراد لیا جائے گا جو خلاف قرآن نہ ہو ورنہ اس حدیث کا انکار کر دیا جائے گا۔ فقہ حنفیہ کا بھی یہی اصول ہے۔

۲۔ اس حدیث کے روایت کتابی اعلیٰ مقام رکھنے والوں کی شخصیات کو طویل خاطرہ رکھا جائے گا۔ کیونکہ بعد کی کوئی شخصیت ہرگز بھی حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتی جب ہم المومنین نے ان حضرات کی شخصیات کو نظر انداز کر کے اصول کو پیش نظر

رکھنا تو ایک اصول یہ بھی سامنے آیا کہ جب بھی کسی شخصیت کا تقابل اصول سے ہوگا شخصیت کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور اصول کو قبول کیا جائے گا اور اسلام میں لاقانونیت نہ چلے گی ورنہ ہر شخصیت کے لئے ایک نیا قانون وضع کرنا ہوگا۔ ہماری ملکی سیاست میں اسی شخصیت پرستی کے باعث لاقانونیت رائج ہے اور مذہبی طور پر بھی اولیاء پرستی اور اکابر پرستی کے نام سے یہی شخصیت پرستی دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ جس کے خلاف سب سے اول علمبردار ام المومنین حضرت عائشہؓ ہیں گو آج جو فتنہ عام مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہے ام المومنینؓ کی نگاہیں عمری کے زمانے میں اسکا ادراک کر چکی تھیں میرے ماں باپ ام المومنینؓ پر قربان کہ جن کے ہاتھوں میں ہمارے رادوں نے کڑیاں تھمائیں تھیں انکی نظر کتنی گہری تھی۔ دنیا کتنی بھی تبدیل ہو جائے اور کتنے بھی فتنے پھیل جائیں لیکن اگر کسی قوم کو ان فتنوں سے نہات حاصل کرنی ہے تو اسے ام المومنینؓ کے اصول کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ اور جو قوم ام المومنینؓ کے اس اصول کو ترک کرے گی وہ قوم، ہمیشہ ذلیل و خوار ہوگی۔

۳ جب کوئی شخصیت ایسی بات کا دعویٰ کرے گی جو خلاف قرآن یا خلاف اصول ہوگی تو تصور کیا جائے گا کہ ان حضرات کو غلط فہمی ہوئی یا واقعہ کو صحیح طور پر محفوظ نہیں رکھ سکے یا واقعہ کی اصل حیثیت کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

۴ اصولی معاملات اور عقائد کے سلسلہ میں ہدایت کے لئے قرآن کافی ہے۔ اس کیلئے روایات کے سہاروں کی کوئی ضرورت نہیں۔

۵ جب حضرت عمرؓ کی شخصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کے خلاف کوئی شے اختیار نہیں کی جاسکتی جب کہ حدیث بھی ان کی تائید کر رہی تھی بالفاظ دیگر وہ اس بات کا دعویٰ کر رہے تھے جو ان کے خیال میں حدیث میں پائی جاتی تھی تو کسی ایسی شخصیت کی اندھی تقلید کیے اختیار کی جاسکتی ہے جو حضرت عمرؓ سے کڑوڑا درجہ پست ہو۔ اور اگر اتفاق سے روایت میں ضعف بھی پایا جاتا ہو تو پھر وہ روایت ہتھر پردے مارنے کے قابل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب یہ مذکورہ حدیث بیان کی تو ام المومنینؓ نے ارشاد فرمایا  
**يُغْفِرُ اللَّهُ لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَمَا إِنَّهُ لَمْ يَكْذِبْ وَ لَكِنَّهُ نَسِيَ أَوْ أخطأ مسلم ج اس ۳۰۳**

اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمن کی مغفرت فرمانے وہ جھوٹ تو نہیں بولتے لیکن بھول گئے یا انھوں نے غلطی کی۔  
 ام المومنینؓ کے اس ارشاد سے ایک اور اصول سامنے آگیا

۶ خواہ راوی کتنا بھی ثقہ اور معتبر ہو۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام جو عادل ہیں جھوٹ نہیں بولتے لیکن وہ غلطی، بھول اور کم فہمی وغیرہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں ان سے کوئی پاک نہیں لہذا یہ کوئی ضروری نہیں کہ اگر راوی ثقہ ہو اور سچا تو اس کی ہر روایت صحیح ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی روایت غلطی پر مبنی ہو یا ہو سکتا ہے وہ بھول گیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس نے پوری بات ہی نہ سنی ہو۔ جب صحابہ کے بارے میں یہ امکانات پائے جاتے ہیں تو ہشام کو ان امور سے پاک سمجھنا اس سے جہاں عصمت انبیاء پر حرف آتا ہے۔ وہاں صحابہ کرام کی عزت پر بھی حملہ ہوتا ہے۔ محدثین ایسی روایت کو منکر کہتے ہیں اسی لئے محدثین میں منکرات سفیان بن عیینہ، منکرات حماد بن سلمہ اور منکرات شریک بن عبد اللہ المدنی مشہور ہیں۔

اسی باعث محدثین و فقہاء اس پر مستحق ہیں کہ ہر انسان کے ساتھ بھول چوک اور خطا لاحق ہے یہ بھی ممکن ہے کہ صحابی سے نقل الفاظ میں غلطی واقع ہوئی ہو۔ یا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو یا پورا واقعہ نہ دیکھا ہو اور اس سے غلط نتیجہ اخذ کر لیا ہو۔ یا ادھوری بات سنی ہو اور اس پر اپنی ایک رائے قائم کر لی ہو۔ یا واقعہ کا کچھ حصہ دیکھ کر مغالطہ کھایا ہو۔ یہ تمام احتمالات جب صحابہ میں پائے جاتے ہیں تو تمام راویوں میں سلسلہ بہ سلسلہ یہ احتمالات پائے جائیں گے۔ اور اگر راوی میں کسی قسم کی خالی بھی پائی جاتی ہے تو ان احتمالات میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ لہذا احادیث کئی بھی اعلیٰ سند کے ساتھ مروی ہوں وہ سب ظنی کہلائیں گی کیونکہ اس نقل روایت میں ہر قدم پر ظن ہے۔ فرق صرف اتنا ہو گا کہ کسی روایت میں ظن کم ہو گا اور کسی میں زیادہ۔ مثلاً متواتر میں ظن صرف برائے نام ظن رہ جاتا ہے لیکن خبر واحد میں ہر قدم پر ظن ہے جیسا کہ آپ ہشام کی روایت میں دیکھ چکے ہیں۔

اسی طرح جس حدیث کی سند میں راویوں کی تعداد زیادہ ہوگی لیتے ہی ظن بڑھتے جائیں گے اور جتنی راویوں کی تعداد کم ہوگی اتنا ظن بھی کم ہوگا۔ اسی لئے محدثین کرام اس حدیث کو جس کی سند میں راوی کم ہوں اسے عالی اور جس میں زیادہ ہوں اسے سافل (نیچے) درجہ کی کہتے ہیں۔

مثلاً امام بخاری ایک روایت اس سند سے نقل کریں **حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان عن الزہری عن عروہ عن عائشہ** اس سند میں بنی کرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بخاری کے مابین پانچ راوی ہیں۔ اس کے برعکس دوسری روایت اس طرح پیش کریں **حدثنا ابو عاصم قال حدثنا الضحاک عن سلمة بن الاکوع**۔ اس سند میں صرف تین راوی ہیں۔ اس میں پہلی کے مقابلہ پر ظن کم ہیں۔

لہذا یہ روایت عالی اور پہلی روایت سافل کہلائے گی یہ بخاری کی ثلاثیات میں سے ہے اور بخاری کی ثلاثیات جن کی تعداد صرف تینس ہے باقی بخاری کی تمام روایتوں سے اعلیٰ ہیں۔ اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے بخاری کی جن احادیث کی سند میں چار راوی ہوں گے وہ اس روایت کے مقابلہ میں اعلیٰ ہوگی جس کی سند میں پانچ راوی ہوں گے۔

قارئین کرام جب آپ کے سامنے یہ اصول آگیا تو امام ابو حنیفہ اور امام مالکؒ جب کسی روایت کو نقل کرتے ہیں تو ان کی روایت کی سند میں بعض اوقات دو راوی، بعض اوقات تین راوی اور خاص طور پر امام ابو حنیفہ کی سند میں بعض اوقات صرف ایک راوی یعنی صحابی ہوتا ہے۔ اس طرح ان حضرات کی کل روایات بخاری کے مقابلہ میں عالی ہوں گی۔ بلکہ بخاری کی جو اعلیٰ روایت ہے وہ ان حضرات کی سافل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان حضرات کی سند میں کوئی اور خالی پائی جاتی ہو۔ ورنہ ان حضرات کی تمام مرویات ثلاثی ہیں اور یہ ان حضرات کی سند کا ادنیٰ درجہ ہے اور ثلاثی کی منزل تک پہنچنا بخاری کا اعلیٰ درجہ ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے اس مختصر سے جملے میں جہاں ایک فقہی اصول وضع فرمایا ہے وہاں حدیث کے سلسلہ میں بھی ایک انتہائی اہم اصول بیان فرمادیا۔ یہ ام المومنین کی ذات گرامی ہے جو انہوں نے کتاب و سنت کے فرق کو واضح فرمایا۔ اور دنیا کے سامنے یہ ثابت کیا کہ قطعی شے کی موجودگی میں ظنیات پیش نہیں کی جاسکتیں۔ اور اسلام میں صرف کلام اللہ قطعی ہے اور حدیث ظنی ہے کیونکہ وہ اشخاص کے ذریعہ مروی ہوتی ہے اور اشخاص میں فلاں فلاں مرض ان کا فطری خاصہ ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی انسان ان خامیوں سے پاک ہو۔ لہذا ان اشخاص کی ذات پر یقین کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جو لوگ شخصیات کو دیکھ کر اپنے دین و دنیا کی بنیادیں قائم کرتے ہیں۔ وہ کتاب اللہ کو پس پشت ڈالتے ہیں اور نتیجتاً ایک بے ایک روز کھلی گرامی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ہم نے یہ سب کچھ تحریر کرنے کے بعد سید سلیمان ندوی کی سیرت عائشہؓ کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۵ پر مختصر آبات تحریر کی ہے۔ ہاں ہمیں یہ افسوس طرور ہے کہ سید صاحب جیسے محقق کے حلق سے نو سالہ عمر کی کزدی و کسلی گولی اتر گئی۔ اور جس کے حلق سے یہ گولی اتر جانے تو پھر اس کا اثر ختم کرنے کے لئے بہت سے انجمنوں کی طرور ہوتی ہے۔ خود ہم پہ سے اس گولی کا اثر پچاس سال بعد دور ہوا۔

اس کی ایک اور مثال فاطمہ بنت قیس کی حدیث ہے۔ جس میں انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ مطلقہ کو نہ رہائش کے لئے مکان ملے گا اور نہ نفقہ ملے گا۔ جس کے رد کیلئے امیر المومنین حضرت عمرؓ نے یہ خطبہ دیا کہ ہم ایک عورت کے کہنے پر کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ

سکتے۔ یہ واقعہ ہم نے تفصیل کے ساتھ اپنی قدیمی کتاب "اصول فقہ" اور جدید کتاب "ایصال ثواب قرآن کی نظر میں" بیان کیا ہے۔ یہاں صرف اہم المومنین کے الفاظ بیان کرنا مقصود ہیں۔

اہم المومنین کے الفاظ ہیں۔  
 ما لفاطمۃ بنت قیس خیر ان تذکرہ هذا الحدیث۔ بخاری ج ۱ ص ۲۸۵ ج ۲ ص ۸۰۳  
 فاطمہ بنت قیس اگر یہ حدیث بیان کرتی ہے تو اس میں کوئی خیر نہیں۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اصانہ لا خیر لھا ذکرہ لک (بخاری ج ۲ ص ۸۰۲ مسلم ج ۱ ص ۳۸۵)

بہر صورت اس کے لئے یہ روایت بیان کرنے میں کوئی خیر نہیں۔

قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ اہم المومنین نے فاطمہ بنت قیس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

الاصحی اللہ۔ (بخاری ج ۱ ص ۸۰۳) کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتی

اب اگر ہم وہ تمام روایات پیش کریں جن پر اہم المومنین نے کلام فرمایا ہے تو وہ خود ایک کتاب ہو جانے لگی۔ لہذا ان تفصیلات کے لئے ہماری کتاب "سیرت عائشہ" کا انتظار فرمائیں۔

ہمیں یہ قبول ہے کہ ہشام ثقہ ہیں بخاری کے راوی ہیں بلکہ آسمان سے پلے پلانے نازل ہوئے تھے۔ لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ جناب ہشام ہند سے کی وہائی بھول گئے یا دماغی خرابی کے دور میں مجبوں نے ان کی زبان سے جو کھلوانا چاہا وہ کہتے چلے گئے اور سچی بات تو یہ ہے کہ قول ہشام سچ نہیں۔ اور اس لئے بھی سچ نہیں کہ اہم المومنین کا یہ ادب، تاریخ، علم الانساب، محاورات عرب اور خطابت جیسے اہم مضامین پر نو سال کی عمر میں قدرت حاصل کر لینا بعید از عقل ہے۔ اتنی کم عمری میں علوم بطور تعویذ گھول کر پلا نہیں دئے گئے تھے۔ اور اگر ایسا ممکن ہے تو ان کرمانی بزرگ کا اتا پتہ ہمیں بھی بتا دیا جائے۔ جو ایک نظر میں ہماری خواہش کے مطابق ہماری کایا پلٹ کر سکے اور ہمیں بیٹھے ہی بیٹھے انگریزی زبان پر عبور حاصل ہو جائے تاکہ اس زبان میں اسلام کے خلاف جو ذہر فشاخیاں کی گئی ہیں اس کا ہم انگریزی میں جواب دے سکیں۔ ہے ایسا کوئی صاحب کرامت دلی؟ ہم بھی کھوج میں مشغول ہیں قارئین کرام بھی کھوج لائیں۔

### اکیسویں دلیل

ایک اصول یہ ہے کہ جب عورت جوان ہوتی ہے تو شادی کے کچھ عرصہ بعد اولاد کی متنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا فطری جذبہ ہے جس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور یہ جذبہ جسے اردو زبان میں مامسا کا جذبہ کہا جاتا ہے کبھی کسی کسین لڑکی میں پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے علامہ اعظم اپنی مسلسل بیاری کی دوسرے حصے کے کتاب "سیرت عائشہ" مکمل نہ کر سکے۔ اس لئے وہ اشاعت پذیر نہ ہو سکی۔



کبھی کسی کم عمر لڑکے کو باپ بننے کی تمنا پیدا نہیں ہوتی۔  
 عرب میں ایک دستور یہ تھا کہ جب کوئی مرد صاحب اولاد ہوتا تو بیٹے کے نام پر اپنی  
 کنیت رکھتا۔ اور عام طور پر یہ کنیت پہلی اولاد کے نام پر رکھی جاتی جیسے ابو طالب کہ اس کا  
 نام عبد مناف تھا اور طالب اس کا بیٹا تھا۔ ابو القاسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے  
 آپ کے چیلے صاحبزادے کا نام قاسم تھا۔ ابو الحسن حضرت علی کی کنیت ہے جو ان کے  
 صاحبزادے حضرت حسن کے نام پر ہے۔

اسی طرح جب کسی عورت کی شادی کے بعد بچہ پیدا ہو تو اس کے نام پر اپنی کنیت  
 رکھتیں اور اس سے متعارف ہوتیں۔ بلکہ کنیت سے ہر شخص کو پتہ چل جاتا کہ یہ صاحب  
 اولاد ہے جیسے ام المؤمنین ام حبیبہ، ام المؤمنین ام سلمہ اور ام سلیم وغیرہ۔

کنیت سے آدمی کی حیثیت قائم ہو جاتی ہے جب اسے کنیت سے پکارا جاتا ہے تو اسے  
 احساس پیدا ہوتا ہے کہ میں باپ ہوں اور باپ ہونے کے باعث مجھ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی  
 ہے اور اسی طرح ماں کنیت سے پکاری جاتی ہے یعنی جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلانے کی ماں تو اس  
 عورت کو لپٹنے ماں ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اس کے جذبہ ماساکو تسکین ملتی ہے۔

اور ہر شادی شدہ عورت کو چند ماہ بعد یہ تمنا شروع ہو جاتی ہے کہ کاش وہ ماں ہوتی۔  
 اور یہ تمنا کسی کسنبی کو پیدا نہیں ہوتی۔ اور جب اس عورت کے خود اولاد نہیں ہوتی تو وہ  
 اپنی تمنا کی تسکین کپلے دوسرے کے بچے کو گود لیتی ہے تاکہ وہ اسے ماں کہے اور اس طرح اس کے  
 فطری جذبہ کی تکمیل ہو۔

حضرت عائشہؓ کے خود کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن ایک روز فطری جذبہ سے مجبور ہو کر  
 عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی تمام بیویوں نے لپٹنے بیٹوں کے نام سے اپنی کنیتیں رکھ لیں، میں  
 کس طرح اپنی کنیت رکھوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ **فاکتنی بابنک عبداللہ**۔  
 لپٹنے بیٹے عبد اللہ کے نام پر کنیت رکھ لے۔

عبد اللہ سے مراد عبد اللہ بن زبیر ہیں۔ اسی لئے ام المؤمنینؓ کی کنیت ام عبد اللہ ہے۔  
 ابو داؤد ص ۶۷۹: ابن ماجہ مترجم ج ۲: ص ۳۱۶ طبقات ج ۸ ذکر عائشہ۔

سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

عبد اللہ سے مقصود عبد اللہ بن الزبیر ہیں جو حضرت عائشہؓ کے بھانجے اور حضرت اسماءؓ  
 بنت ابی بکر کے صاحبزادے ہیں۔ ہجرت کے بعد یہ اولین فرزند اسلام تھے، حضرت عائشہؓ نے ان  
 کو متبنی کیا تھا اور ان کو دل سے چاہتی تھیں۔ وہ بھی ماں سے زیادہ ان سے محبت کرتے تھے،

ان کے علاوہ حضرت عائشہ نے اپنی آغوش تربیت میں اور بھی بچوں کی پرورش کی۔ (موطا کتاب الزکوٰۃ) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ایک انصاریہ لڑکی کی پرورش اور شادی کا ذکر احادیث میں ہے۔ (مسند احمد ج ۶: ۲۲۹)

مسروق بن الاعدح۔ (تذکرۃ الحفاظ) عمرہ بنت عائشہ، عائشہ بنت طلحہ، عمرہ بنت عبدالرحمن انصاریہ، اسماء بنت عبدالرحمن بن ابی بکر عروۃ بن الزبیر، قاسم بن محمد اور ان کے بھائی اور عبداللہ بن یزید وغیرہ حضرت عائشہ کے پروردہ تھے۔ محمد بن ابی بکر کی لڑکیوں کو بھی خود پالاتھا۔ ان کی شادی و بیاہ خود کیا کرتی تھیں۔ (سیرت عائشہ ص ۱۸۲)

صحیح بخاری میں ہشام نے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ ~~انہیں~~ نے ایک لڑکی کی شادی ایک انصاری سے کی۔ (بخاری ج ۲: ص ۷۷)

حضرت عائشہ نے اپنے بھانجے کو بیٹا بنا لیا تھا۔ اسی باعث حضرت اسماءؓ نے اپنے بیٹے کے نام پر کنیت نہیں رکھی۔ اور چونکہ ام المؤمنینؓ اول ہی سے عبداللہ کو بیٹا کہا کرتی تھیں اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اپنے بیٹے کے نام پر کنیت رکھ لے۔ اس طرح آپؐ کے اس جذبہ مادریت کی تسکین ہو گئی جو ہر جوان عورت کی تمنا ہوتی ہے، جو خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اس وقت جوان تھیں اور عبداللہ، ہشام کی روایت کی رو سے ان سے صرف آٹھ سال چھوٹے تھے۔ ایسی صورت میں ان کو چھوٹا بھائی تو کہا جاسکتا تھا بیٹا ہرگز نہیں کہا جاسکتا تھا یہ تمام صورت حال اس امر کو ثابت کر رہی ہے کہ وہ جوان العمر تھیں۔ اور ان کا فطری جذبہ اولاد کا مستی تھا۔ اسی لئے اپنے بھانجے کو بیٹا بنا یا اور اولاد نہ ہونے کے باعث متعدد لڑکیوں کی پرورش کرتی رہیں۔

## بانیوں و لیل

بشر بن عقرہ سے روایت ہے کہ میرے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے، میں ہٹھارو رہا تھا چنانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا

اماترضی ان اکون اباک وعائشۃ امک

کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ میں تیرا باپ بنوں اور عائشہ تیری ماں بنے۔

آپ غور فرمائیے کہ دس سالہ کمسن بچی کے ہارے میں یہ فرمانا کہ وہ تیری ماں بنے اور میں تیرا باپ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ جملے نکلنا ممکن ہے؟ نہیں تاوقتیکہ لڑکی ام المؤمنینؓ کی عمر زیادہ نہ ہو ورنہ بشر بھی چھ سات سال کے بچے ضرور ہوں گے۔ یعنی دس سالہ لڑکی سات سالہ بچے۔ یہ تاریخ کا ایک بدترین مذاق ہو گا۔ ہمارے نظریہ کے لحاظ سے

ام المؤمنین کی عمر جنگ احد کے وقت کم از کم اکیس سال تھی۔

## تیسویں دلیل

### کیا عرب میں کمسن لڑکیوں کی شادی کا رواج تھا؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عربوں میں اور علیٰ خصوص اس وقت میں بالغ لڑکی کے نکاح کا رواج عیاں نہیں؟

جب ہم تاریخ عرب پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں انفسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمیں تاریخ عرب میں قبل از اسلام اور بعد از اسلام اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں جن کنواری لڑکیوں کی شادیاں ہوئیں وہ سب پختہ عمر کی لڑکیاں تھیں۔ اور کوئی بھی کچھ دارماں لڑکی کے بالغ ہوتے ہی اس کی شادی پر فوری تیار نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر لڑکی خود کم عمر نا کچھ ہوگی تو ایسی عمر میں اس کے جو اولاد ہوگی وہ اسے کیسے سنبھالے گی۔ اور نتیجاً اس کی یا تو صحت خراب ہو جائے گی یا اولاد پر اسے جتنی توجہ دینی چاہیے وہ توجہ نہ دے سکے گی۔

ہر مہذب معاشرہ میں بھی رواج ہوتا ہے کہ لڑکیوں کی شادی ایسی عمر میں کی جائے کہ ان میں شعور و احساس پیدا ہو گیا ہو۔ اور یہ شعور اٹھارہ سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہاں تک فرماتے ہیں کہ بلوغ کی حد اٹھارہ سال ہے۔ اور ہمارا تصور یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکی تیرہ چودہ سال کی عمر میں جسمانی طور پر بالغ ہو جائے لیکن اٹھارہ سال سے قبل وہ ہرگز بالغ العقل نہیں ہوتی۔ یعنی اس کا لاکھن نہیں جاتا۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں کی شادیاں انکی پختہ عمری میں فرمائیں۔ اور چونکہ ہجرت مدینہ سے قبل کے واقعات پورے طور پر تاریخ میں نہیں آتے۔ اس لئے ہم آپ کی ان صاحبزادیوں کی عمر کے سلسلہ میں کچھ نہیں کہہ سکتے جن کی شادی مکہ معظمہ میں ہوئی۔ لیکن ہجرت مدینہ کے بعد آپ نے دو صاحبزادیوں کی شادیاں فرمائیں اور دونوں کی شادی پختہ عمری میں کی۔

## حضرت فاطمہؓ کا نکاح

حضرت فاطمہؓ کا نکاح بقول بعض مورخین سن ۲ خوال میں اور بقول بعض مورخین محرم سن ۳ ہجری میں ہوا۔ اس وقت ان کی کیا عمر تھی۔؟ تو محدثین و مورخین اس پر متفق ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کی پیدائش اس وقت ہوئی جب کفار نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا۔ اس وقت نبی

کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس (۳۵) سال تھی۔ یعنی نبوت سے پانچ سال قبل۔ اس طرح ہجرت مدینہ کے وقت حضرت فاطمہ کی عمر اٹھارہ سال اور شادی کے وقت بیس اکیس سال بنتی ہے۔

یہاں ایک لطیفہ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ حضرت عائشہ سے پانچ سال بڑی تھیں۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۲۶۶)

دوسری جانب حافظ صاحب اس کے زبردست حامی ہیں کہ ام المومنین کی رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی۔ لیکن اگر ان کی اس بات کو پیش نظر رکھا جائے کہ حضرت عائشہ حضرت فاطمہ سے پانچ سال چھوٹی تھیں اور حضرت فاطمہ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں تو ام المومنین کی پیدائش اس سال ہوئی جس سال آپ مبعوث ہوئے۔ اس طرح ام المومنین کی رخصت کے وقت عمر پندرہ سال بنتی ہے نو سال آخر کیسے ہے؟

سبائی برائوری اس امر کی دعوایدار ہے کہ حضرت فاطمہ نبوت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں اور اس طرح ان کی عمر نکاح کے وقت آٹھ نو سال تھی۔ بلکہ اسی باعث ان کا فقہی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ جب لڑکی کی عمر نو سال ہو جائے تو اس کی شادی کر دی جائے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ اپنی اس مفروضہ داستان پر پردہ ڈالنے کے لئے ام المومنین کی عمر کا شاخسانہ کھڑا کیا گیا۔ اور سنی حضرات جو ہمیشہ ان کے تخیلات پھیلانے میں پیش پیش رہے۔ انہوں نے اس روایت کی تردید کا کام انہام دیا۔ اور جب اہل سنت نے اسے قبول کر لیا تو یہ کہہ کر مذاق اڑانا شروع کیا کہ صاحب جس لڑکی نے گزیاں کھیل کر وقت گزارا ہو وہ دین کو کیا سمجھے گی؟

### حضرت ام کلثوم

حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت رقیہ کے بعد حضرت عثمان سے ربیع الاول سن ۳ ہجری میں ہوا۔ اگر حضرت ام کلثوم حضرت فاطمہ سے چھوٹی تھیں جیسا کہ فاطمہ کے بعد ان کے نکاح سے ثابت ہوتا ہے تو ان کی عمر انیس سال کے قریب بنتی ہے اور اگر ام کلثوم بڑی تھیں جیسا کہ عام مورخین کہتے ہیں تو ان کی عمر کسی حال میں تیس سال سے کم نہیں بنتی اور وہ اس وقت کنواری تھیں۔

حیرت ہے کہ آپ اپنی بیٹیوں کی شادیاں اس وقت فرمائیں جب ان کی عمر بیس سے تھوڑا ہو جائے جیسا کہ آج کل تعلیم یافتہ لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔ لیکن جب آپ اپنی شادی فرمائیں تو نو سالہ لڑکی سے کریں۔ آخر ان بیٹیوں کو اسے ماں کہتے ہوئے کیا محسوس ہوتا؟

## حضرت اسماءؓ

حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن ہیں اور ان سے دس سال بڑی ہیں۔ ان کا نکاح حضرت زبیر سے ہجرت مدینہ سے چند ماہ قبل ہوا ہجرت کے وقت وہ حاملہ تھیں۔ ہجرت مدینہ کے وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی اور نکاح کے وقت پچیس سال۔ یعنی ابو بکر نے بڑی بیٹی کو چھبیس سال بٹھائے رکھا اور چھوٹی بیٹی ان پر اتنی گراں تھی کہ اسے نو سال کی عمر میں رخصت کر دیا۔

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہی صورت حال ہمیں اس وقت کے پورے معاشرے میں نظر آتی ہے اور ہمیں کوئی ایسی لڑکی نظر نہیں آتی جس کی عمر شادی کے وقت انھارہ سال سے کم ہو۔ بلکہ آج تک ہمیں اس کی نظیر نہیں ملی۔ یہ کہانی ہم المؤمنینؓ ہی کے لئے کیوں مخصوص کی گئی۔ اس کے پس پردہ کون سی سازش کار فرما ہے۔ ۲۔ کاش اس کی لونی نقب کھائی کر سکے۔

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم المؤمنینؓ کی مدت ملت سہایت کی اساسی بنیاد ہے حتیٰ کہ جناب غائب کی آمد کا مقصد اولین سے ف تین اشخاص نے ذات ہے۔

ابو بکر و عمر و ۴ المؤمنین عائشہ

## جو بیویوں دلیل اجماع عملی

ہشام کی اس نام نہاد روایت کے خلاف امت مسلمہ کا عملی طور پر ہمیشہ سے اجماع رہا ہے۔ آج تک اس روایت پر کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ کسی نے اپنی نو سالہ لڑکی کو اس کام کے لئے پیش کیا۔ اور نہ آج تک اتنی عمر کی لڑکی کو زوجیت کے لئے قبول کیا گیا۔

حاصل کلام یہ کہ زبانی طور پر تو ہر فرد بشر کی زبان پر یہ روایت نظر آتی ہے۔ لیکن جب عمل کرنے کا معاملہ پیش آتا ہے تو آج تک اس روایت پر کسی نے عمل نہیں کیا اور سب اس روایت سے مخرف نظر آتے یہ عجیب قسم کا ایمان ہے کہ اس پر عمل کرنے کے سلسلے کوئی بھی تیار نہیں۔ بالکل دیگر یہ روایت کسی کو بطلان عمل قبول نہیں لیکن گمراہ بننا ہماری عادت ثانیہ بن گئی ہے۔ لہذا اس روایت پر زبانی طور پر ہمارا ایمان ہے اور عملی طور پر پوری امت اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ آخر یہ دو نقلی پالیسی ہمارا اچھا کب چھوڑنے کی کب اس منافقت اور تکیہ بازی سے عہدہ برآ ہوں گے۔ ۲

## حضرت خدیجہؓ کی عمر

ہم المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا تو ان کی عمر چالیس سال تھی۔ یہ ایک تاریخی روایت تھی جس کا حقیقت پر مبنی ہونا کوئی ضروری نہ تھا لیکن اس کا پروردگارؐ کا اس حد تک کیا گیا کہ اس نے ایک مذہبی حیثیت اختیار کر لی۔ حتیٰ کہ اس واقعہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دور شباب ایک بوڑھی عورت کے ساتھ گزار دیا۔ اور اس بڑھاپے میں ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں - زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ اور تین صاحبزادے جن کا نام قاسم، طیب، اور ظہیر پیدا ہوئے اور بقول بعض چار صاحبزادے پیدا ہونے جن میں ایک صاحبزادے کا نام عبد اللہ تھا۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ عبد اللہ ہی کو طیب اور ظہیر کہا جاتا ہے۔

حضرت خدیجہؓ کے دو نکاح پہلے ہو چکے تھے۔ ایک ابو ہالہ ہند بن بناش بن زرارہ تمیمی سے ہوا ان سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہونے لڑکے کا نام ہند اور لڑکی کا نام ہالہ تھا۔ ابو ہالہ کے اشتکال کے بعد عتیق بن عائد مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ہند تھا۔ اسی باعث حضرت خدیجہؓ کی کنیت ام ہند تھی۔ حضرت خدیجہؓ کے لڑکے ہند نے اسلام قبول کیا تھا۔ ان سے حضورؐ کا علیہ مبارک شمائل ترمذی میں مروی ہے۔

(سیرت النبیؐ ۲: ۲ ص ۴۰۲)

جہاں ایک سواحل یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے جہاں جوانی میں چار اولادیں ہوئیں لیکن بڑھاپے میں سات یا آٹھ بچے پیدا ہوئے جو قطعاً خلاف عقل ہے۔ اس لئے کہ از روئے حکمت عموماً ۴۵ سال کے بعد عورت بچے جنمنے کے قابل نہیں رہتی۔ کہا یہ کہ چالیس سال کی عمر کے بعد آٹھ بچے پیدا ہونا۔ مستشرقین اور اسلام دشمنوں کا تمام زور اس پر ہوتا ہے کہ یہ صورت حال خلاف عقل ہے۔ اور وہ اس واقعہ کو پیش کر کے اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اور ہمارے علماء سے ایک اچھا خاصا معجزہ تصور کرتے ہیں۔ بلکہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں شمار کرتے ہیں کہ آپ نے ایک بوڑھی عورت سے جنینی میں شہادی فرمائی

دوسری جانب سبانی اس صورت حال کو پیش کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ بڑھاپے میں اتنی اولاد ہونا ممکن نہیں لہذا (زینب، رقیہ اور ام کلثوم آپ کی صاحبزادیاں

نہیں) آپ کے صرف دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔

ساتھ ساتھ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی عمر شادی کے وقت چالیس سال تھی اگرچہ وہ عمروں کا کھیل کھیلنے میں ماہر ہیں۔ لیکن غلطی سے یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نبوت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں۔ گویا جب حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئیں تو حضرت خدیجہ کی عمر ساتھ سال ہوئی۔ اس لحاظ سے اگر حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کا حضرت خدیجہؓ کی اولاد ہونا ممکن نہیں، تو حضرت فاطمہؓ کا ان کی اولاد ہونا تو قطعاً محال ہوا۔ انھیں اولاد یہ ثابت کرنا چاہیے کہ ساتھ سال کی عمر میں اولاد ہو بھی سکتی ہے یا نہیں۔ اور جب اس کا ثبوت ہم ہونہا دیں تو پھر یہ ثابت کریں کہ فاطمہؓ خدیجہؓ کی اولاد ہیں، ملت سبائیہ جب یہ دونوں امور ثابت کر دے گی تو ہم یہ ثابت کر دیں گے کہ یہ چاروں صاحبزادیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہؓ سے پیدا ہوئی ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کی عمر میں اختلاف ہے۔ اور اس معاملہ میں مورخین کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول ہے کہ چالیس سال کی عمر تھی۔ ایک قول ۳۵ سال کا، ایک قول تیس کا، ایک قول سائیس کا اور ایک قول ہے کہ صرف پچیس سال عمر تھی۔ سبائی مورخین نے یہ کارنامہ انہما دیا کہ صرف چالیس کا قول نقل کیا بقیہ اقوال نقل نہیں کئے اور چالیس سال کی عمر کے قول کو اتنی شہرت دی کہ دیگر اقوال کا عدم ہو گئے۔ حتیٰ کہ ہمارے علماء اور بعد کے تمام مورخین اس قول کو قطعی تصور کر بیٹھے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

ونقل البیہقی عن الحاکم انه کان عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین تزوج خدیجہ خمساً و عشرين سنة و کان عمرها اذ ذاک خمساً و ثلاثین و قیل خمساً و عشرين سنة  
البدایۃ ج ۲: ص ۲۹۵

بیہقی نے حاکم سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ سے نکاح فرمایا تو آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ اور حضرت خدیجہ کی عمر پچیس سال تھی اور ایک قول یہ ہے کہ پچیس سال تھی۔

یعنی بیہقی و حاکم کا قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کی عمر اس وقت پچیس سال تھی۔ ساتھ ساتھ یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ پچیس سال عمر تھی۔

دوسرے مقام پر حافظ ابن کثیر حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت کل عمر بیان کرتے

ہوئے لکھتے ہیں۔

و بلفت خدیجة خمساً وستین و یقال خمسین و مواصح۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲: ص ۲۹۴)

حضرت خدیجہ کی عمر پینسٹھ سال ہوئی۔ ایک قول ہے کہ پچاس سال ہوئی۔ اور یہی صحیح ہے۔ اس پر تمام محدثین و مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں پچیس سال رہیں اور نبوت کے دسویں سال ان کا انتقال ہوا۔ حافظ ابن کثیر نے یہ کہہ کر کہ صحیح یہ ہے کہ ان کی عمر پچاس سال ہوئی یہ ثابت کر دیا کہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر صرف پچیس سال تھی۔ اور حافظ ابن کثیر نے ایک لفظ میں یہ ثابت کر دیا کہ بقیہ اقوال غلط ہیں۔ اتنی صریح وضاحت کے باوجود ہم صرف ایک سنی سنائی گپ پر ایمان لاتے رہے اور اتفاق سے اس مرض لا علاج میں ہم خود بھی مبتلا تھے لیکن جب حافظ ابن کثیر کی البدایہ و النہایہ کا مطالعہ کیا تو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے کہ ہم کتنی بڑی غلط فہمی کا شکار تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کھننے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین۔



# فہرست کتب

## الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی مطبوعات

مکان نمبر ون۔ اے ۳ / ۷، ناظم آباد نمبر ۱، کراچی ۷۴۶۰۰

فون: ۶۲۱۳۳۹

ٹرسٹ کی دیگر مطبوعات		علامہ حبیب الرحمن کا نذر حلوی کی تصانیف	
۱۸۰/	۱ تصنیف خواش کا تعلق شہادت سے (ترجمہ محمد عرفانی)	۸۵/	۱ نذر بنی داستانیں نور حق کی حقیقت (چند جلد)
۸۵/	۲ شمع حقیقت قاضی محمد علی (انٹریا)	۱۰۰/	۲ شب براءت۔ ایک تحقیقی جائزہ
۱۵/	۳ در اثنت مقبول احمد مدنی	۱۵/	۳ شب براءت کیا ہے؟
۱۵/	۴ تصوف برہند ستانی اثر ڈاکٹر محمد عمر	۷۵/	۴ صحابہ کرام قرآن کی نظر میں
۱۲/	۵ اسلام اور تصوف جاوید احمد قادری	۷۵/	۵ کیا ہمارا قرآن ایک ہے؟
۱۲/	۶ حقیقی اہل بیت مفتی محمد طاہر کنگی	۲۵/	۶ عقیدہ و ایصال ثواب قرآن کی نظر میں
۹/	۷ تہجد مولوی محمد (انٹریا)	۲۰/	۷ فاتحہ خلف الامام
۵/	۸ رسم چیز (قرآن کی روشنی میں) ڈاکٹر محمد نیاز	۱۵/	۸ تحقیق عمر عائشہ
۱۵/	۹ معجزات نبوی	۱۵/	۹ عقیدہ و تصور مسدوی
۱۲/	۱۰ عذاب قبر محمد فاضل (مدبر الحق)	۶/	۱۰ کیا حد حلال ہے؟
۶/	۱۱ عذاب قبر السید انور نقاد	۶/	۱۱ سان حسن بصری
۳۵/	۱۲ عذاب قبر قرآن احمد عثمانی	۶/	۱۲ اسلام میں حفظ مراتب پر ایک تحقیقی نظر
۲۰/	۱۳ عقیدہ نزول سجاد مسدوی مولانا عبد اللہ سندھی	۱۵/	۱۳ اہمیت تبلیغ
۳۰/	۱۴ تاملان حسین کی شانہ تلاشی مولانا عبد الشکور قادری	50/	۱۴ Age of Ayesha
اس کے علاوہ درج ذیل مصنفین کی تصنیفات		Religious Tales Fact and Fiction	۱۵
دشلیب ہو سکتی ہیں۔		Rs. 210/-	
۱۰۰/	۱۵ خلافت معاویہ و یزید محمود احمد عباسی	علامہ تہن شاہی صاحبی پھلواروی کی تصانیف	
۳۰/	۱۶ بلا شہ دہم لودھ	۲۰۰/	۱ اعجاز القرآن اور اختلاف قرات
۱۳/	۱۷ رسومات عمر سو توہید ولوی	۸۵/	۲ امام زہری و طبری تصویر کا دور سر اورغ
۱۵۰/	۱۸ تحقیق حریہ	۸۵/	۳ انتظار مسدوی و سجاد فن رجال کی روشنی میں
۳۰/	۱۹ ہم پائی	۸۰/	۴ جمع القرآن
۵۵/	۲۰ حیات سیدنا یحییٰ محمد عظیم الدین صدیقی	۲۰/	۵ نذر اگر ایصال ثواب کی دوسری کڑی
۵۰/	۲۱ واقعہ کربلا اور سیدنا یحییٰ	۱۵/	۶ کیا اختلاف امت رحمت ہے؟
۵/	۲۲ درس توحید حد نول	۲۵/	۷ العقیدہ و الزبرہ حد نثر
۱۳/	۲۳ درس توحید حد دوم	۵۰/	۸ حد نثر
۲۵/	۲۴ حقیقت و سبیلہ	۵۰/	۹ وصیت وراثت اور کفار
۱۵۰/	۲۵ دینی نفسیات مفتی محمد اسحاق ندوی	۱۵/	۱۰ سبیل المؤمنین
۱۰۰/	۲۶ اہمہ حقیقت جلد نول	۵/	۱۱ اخلاقی کٹوریہاں
۱۰۰/	۲۷ اہمہ حقیقت جلد دوم	۳۵/	۱۲ نماز چمکانہ کا قرآنی ثبوت
۱۰۰/	۲۸ اہمہ حقیقت جلد سوم		